فروری ۱۹۹۷ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

- **تصوّف کی حقیقت**
  امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک فکر انگیز خطاب
- **خصُوصیاتِ قرآن**
  پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم کا ایک پُرمغز مقالہ

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی

شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن

رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا (البقرہ :۱۸۵)

ماہ رمضان المبارک کا خصوصی تحفہ

ڈاکٹر اسرار احمد کی مقبول عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

خود پڑھئے اور دوستوں اور عزیزوں کو تحفہ پیش کیجئے!

نوٹ

ماہ رمضان المبارک میں اس کتابچے کو بڑے پیمانے پر عام کرنے کے لئے اس کا ایک خصوصی سستا ایڈیشن تیار کیا گیا ہے جو لاگت سے بھی کم قیمت پر یعنی تین سو روپے فی سینکڑہ کے حساب سے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور اور دوسرے شہروں میں قائم ذیلی انجمنوں کے دفاتر سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

شائع کردہ

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

36۔کے ماڈل ٹاؤن

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد : ۴۶
شمارہ : ۲
شوال المکرم ۱۴۱۷ھ
فروری ۱۹۹۷ء
فی شمارہ ۱۰/-
سالانہ زر تعاون ۱۰۵/-

ادارہ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک
○ ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر 10 امریکی ڈالر
○ سعودی عرب، کویت، بحرین، عرب امارات
قطر، بھارت، بنگلہ دیش، یورپ، جاپان 17 امریکی ڈالر
○ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ 22 امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت : 36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور54700۔فون : 03-02-5869501
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی : 67۔ گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور، فون : 6305110
پبلشر : ناظم مکتبہ، مرکزی انجمن، طابع : رشید احمد چودھری، مطبع : مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ **عرض احوال** — ۳

حافظ عاکف سعید

☆ **تذکرہ و تبصرہ** — ۹

○ فرقہ وارانہ کشیدگی سے اصل فائدہ کس کو؟ اور شدید نقصان کس کا؟

○ رمضان، قرآن اور پاکستان

(امیر تنظیم اسلامی کے خطابات جمعہ سے ماخوذ)

☆ **حقیقت تصوف** — ۱۵

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ **خصوصیات قرآن** — ۳۳

پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم

☆ **افہام و تفہیم** — ۷۰

○ صوبہ سرحد سے ایک متلاشی حق کا خط

اور امیر تنظیم اسلامی کا جواب

○ ریاض سے ایک جواب طلب مراسلہ

اور امیر تنظیم اسلامی کی جوابی وضاحت

○ کراچی سے ایک درد بھرا مکتوب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض احوال

سعادت و برکات کا مہینہ 'ماہ رمضان' تیزی کے ساتھ اپنے اختتام کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس ماہ مبارک کا دوسرا عشرہ جسے آنحضور ﷺ نے "مغفرت" کا عنوان دیا تھا' ختم ہونے کو ہے۔ گویا اس کا نصف سے زائد حصہ ہم بِتا چکے ہیں اور اب نیکیوں کی اس فصل بہار سے فائدہ اٹھانے اور سعادتوں کو سمیٹنے کے لئے بہت کم وقت ہمارے پاس باقی رہ گیا ہے۔

اس ماہ مبارک کے آخری عشرہ کی نمایاں ترین شے لیلۃ القدر ہے جس کی عظمت کا اندازہ اس سے کیا جانا چاہئے کہ خود اللہ نے اسے ہزار مہینوں سے افضل قرار دیا (لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ) اور ایک مکمل سورۃ اسی عنوان سے نازل فرما کر اس کی عظمت و فضیلت پر مہر تصدیق ثبت فرمادی۔ کرۂ ارضی پر بسنے والے ایسے اصحاب ایمان و یقین کی تعداد اگر کروڑوں میں نہیں تو لاکھوں میں ضرور ہو گی جو اس مبارک شب کی جستجو میں اس ماہ مبارک کے آخری عشرے کی طاق راتیں' بالخصوص ۲۷ویں شب جاگ کر گزاریں گے۔ تہنیت و مبارکباد کے لائق ہیں وہ لوگ کہ جن کا یہ جاگنا محض رت جگا نہیں ہو گا بلکہ یہ وقت قرآن کے پڑھنے پڑھانے' سننے سنانے اور نوافل و مناجات میں صرف ہو گا۔ اللّٰھم ربّنا اجعلنا منھم

اس بار اسی عشرۂ اخیرہ میں الیکشن کا مرحلہ بھی درپیش ہے۔ اس بحث سے قطع نظر کہ معتکف حضرات اپنا حق رائے دہی کیسے استعمال کر سکیں گے اور آیا ووٹ کے لئے مسجد سے باہر نکلنے سے اعتکاف ٹوٹ جائے گا یا باقی رہے گا' یہ بات اب تقریباً یقینی نظر آتی ہے کہ الیکشن مقررہ وقت پر ہی ہو گا۔ اس الیکشن سے ہماری دلچسپی صرف اسی قدر ہے کہ ہماری رائے میں اس ملک میں جمہوری عمل کا جاری رہنا بہت ضروری ہے۔ ملکی بقا کا معاملہ بہت کچھ اس پر موقوف ہے۔ تاہم ہم اس حقیقت کا بھی بخوبی ادراک رکھتے ہیں کہ بحالات موجودہ الیکشن کے راستے سے اس ملک میں اسلام ہرگز نہیں آسکتا۔ گو بظاہر احوال مسلم

لیگ کی کامیابی زیادہ قرین امکان نظر آتی ہے تاہم ہماری دانست میں ان انتخابات میں مسلم لیگ کو کامیابی حاصل ہو یا پیپلز پارٹی کو' حالات میں کوئی لمبا چوڑا فرق واقع نہیں ہو گا۔ ہم بدستور آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی اسامی بنے رہیں گے اور ملکی سطح پر سیکولرزم ہی اپنی جڑیں مزید جمائے گا۔ اصلاح احوال کی واحد صورت وہی ہے کہ جس کی تکرار ہم گزشتہ کئی برسوں سے کئے چلے جا رہے ہیں' جس کا حاصل اقبال کے اس ایک شعر میں نہایت خوبصورتی سے سمٹ آیا ہے کہ ؎

با نشہ درویشی در ساز و دمادم زن
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن

☆ ☆ ☆

زیر نظر شمارے میں شامل دو مضامین خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ ایک "حقیقتِ تصوف" کے عنوان سے امیر تنظیم اسلامی کا خصوصی خطاب ہے جس کے ذریعے تصوف کے بارے میں امیر تنظیم کا موقف پوری وضاحت کے ساتھ سامنے آتا ہے۔ (امیر محترم کے اس خطاب کو فوری طور پر شائع کرنے کا ایک خاص سبب بھی ہے جس کا ذکر مضمون کے شروع میں کر دیا گیا ہے) دوسرا مضمون جو خاصا مفصل ہے' پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم کا تحریر کردہ ہے۔ عنوان ہے : "خصوصیاتِ قرآن"۔ چشتی صاحب مرحوم علم کا بحرِ زخار تھے اور ان کے دل پسند موضوعات میں خصوصیات قرآن حکیم بھی شامل تھا۔ ماہ رمضان کی مناسبت سے اس مضمون کی اشاعت ان شاء اللہ العزیز بہت افادیت کی حامل ہوگی۔

☆ ☆ ☆

پاکستان کے طول و عرض میں دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگرام
ایک نظر میں

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ' نے نماز تراویح کے ساتھ دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگرام کا آغاز آج سے تیرہ برس قبل قرآن اکیڈمی لاہور سے کیا تھا۔ اس کے اگلے ہی برس امیر محترم کے علاوہ تنظیم اسلامی کے بعض رفقاء نے بھی دورۂ ترجمہ قرآن

کروایا اور بعض مقامات پر امیر محترم کے دورۂ ترجمہ قرآن کے ویڈیو کیسٹ کے ذریعے اس کار خیر کا آغاز کیا گیا۔ اس کے بعد ہر سال دورۂ ترجمہ قرآن کے حلقوں میں بحمد اللہ مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ امسال پاکستان میں جن مقامات پر دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگرام ہو رہے ہیں ان کی فہرست درج ذیل ہے۔

حلقہ لاہور ڈویژن

۱۔ قرآن اکیڈمی' ماڈل ٹاؤن' لاہور	مدرس ڈاکٹر عارف رشید
۲۔ مسجد خدام القرآن' والٹن	مدرس جناب فتح محمد قریشی
۳۔ جامع مسجد لاریکس کالونی' کینال بنک ایکسٹینشن	جناب محمد مبشر (بذریعہ تفہیم القرآن)
۴۔ مرکزی دفتر تنظیم اسلامی' گڑھی شاہو	بذریعہ ویڈیو کیسٹ امیر محترم
۵۔ محلہ جلوٹیاں' اندرون بھاٹی گیٹ	بذریعہ ویڈیو کیسٹ امیر محترم
۶۔ لانس روڈ	بذریعہ ویڈیو کیسٹ امیر محترم
۷۔ حسن ٹاؤن' ملتان روڈ	بذریعہ ویڈیو کیسٹ امیر محترم
۸۔ دیو سماج روڈ' سنت نگر	بذریعہ ویڈیو کیسٹ امیر محترم
۹۔ کوٹ شہاب الدین' شاہدرہ	بذریعہ ویڈیو کیسٹ امیر محترم

حلقہ پنجاب شمالی

۱۔ بر مکان عظمت ممتاز ثاقب' F/10 اسلام آباد	مدرس شمس الحق اعوان
۲۔ بر مکان جناب جاوید اقبال	بذریعہ ویڈیو کیسٹ امیر محترم
۳۔ بر مکان ڈاکٹر خالد رحیم' خیابان سرسید	بذریعہ ویڈیو کیسٹ امیر محترم
۴۔ دفتر حلقہ' سیٹلائٹ ٹاؤن' راولپنڈی	بذریعہ ویڈیو کیسٹ امیر محترم
۵۔ بر مکان جناب یوسف عزیز' اسرہ محمدی کالونی	بذریعہ ویڈیو کیسٹ امیر محترم
۶۔ بر مکان جناب ظہیر احمد	بذریعہ ویڈیو کیسٹ امیر محترم
۷۔ بر مکان غلام مرتضیٰ اعوان' E-24 - G6/2	بذریعہ ویڈیو کیسٹ امیر محترم
۸۔ بر مکان غلام رسول غازی' قائداعظم یونیورسٹی	بذریعہ ویڈیو کیسٹ امیر محترم

حلقہ پنجاب جنوبی

۱۔ قرآن اکیڈمی ملتان	مختار حسین فاروقی
۲۔ مسجد نشتر میڈیکل کالج	ڈاکٹر محمد طاہر خاکوانی

حلقہ پنجاب غربی

۱۔ حمید پیلس، فیصل آباد	ڈاکٹر عبد السمیع
۲۔ دفتر حلقہ، ریلوے روڈ فیصل آباد	جناب شاہد مجید
۳۔ مرکز تنظیم اسلامی، سرگودھا	جناب رشید عمر
۴۔ چک ۱۲۷ جنوبی	محمد اقبال
۵۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ	چوہدری رحمت اللہ بٹر (بزبان پنجابی)
۶۔ سانگلہ ہل	بذریعہ ویڈیو کیسٹ امیر محترم

حلقہ آزاد کشمیر

۱۔ بیروٹ	جناب خالد عباسی

حلقہ سرحد

۱۔ برمکان خدا بخش پشاور	بذریعہ ویڈیو کیسٹ

حلقہ کراچی

☆ تنظیم اسلامی ضلع وسطی نمبر ۱	
(۱) برمکان احتشام الحق صدیقی، نیو کراچی	مترجم : جناب عبد المقتدر
(۲) برمکان جناب نجم الحسن، نارتھ ناظم آباد	بذریعہ ویڈیو کیسٹ امیر محترم
☆ تنظیم اسلامی ضلع وسطی نمبر ۲	
(۱) برمکان جناب جلال الدین اکبر، گلشن اقبال	مترجم : جناب جلال الدین اکبر
(۲) برمکان جناب نوید احمد، اسحٰق آباد	بذریعہ ویڈیو کیسٹ امیر محترم
(۳) برمکان جناب محمد طارق، عزیز آباد	بذریعہ ویڈیو کیسٹ امیر محترم
☆ تنظیم اسلامی ضلع شرقی نمبر ۱	
(۱) دفتر تنظیم اسلامی	مترجم : عبد الرزاق صاحب
☆ تنظیم اسلامی ضلع شرقی نمبر ۲	
(۱) دفتر تنظیم اسلامی	مترجم : جناب اعجاز لطیف
(۲) برمکان جناب اعجاز لطیف (صبح دس تا ڈیڑھ بجے)	مترجمہ : بیگم اعجاز لطیف
(۳) برمکان جناب بشیر احمد سلیمی، ملیر کینٹ	بذریعہ ویڈیو کیسٹ امیر محترم

☆ تنظیم اسلامی ضلع شرقی نمبر ۲

(۴) برمکان جناب محمد سلیم، ماڈل کالونی	بذریعہ ویڈیو کیسٹ امیر محترم

☆ تنظیم اسلامی ضلع شرقی نمبر ۳

(۱) مسجد طیبہ، زمان ٹاؤن، کورنگی نمبر ۴	مترجم: سید یونس واجد صاحب
(۲) برمکان جناب ابوذر ہاشمی، لانڈھی نمبر ۱	تین مترجم حضرات

☆ تنظیم اسلامی ضلع جنوبی

قرآن اکیڈمی، ڈیفنس	مترجم: انجینئر نوید احمد

سانحہ ارتحال

تنظیم اسلامی کی بزرگ رفیقہ محترمہ طیبہ یاسمین صاحبہ، جن کے ہلکے پھلکے، سبق آموز اور فکر انگیز مضامین ایک عرصہ "گوشہ خواتین" کے زیر عنوان "میثاق" کی زینت بنتے رہے، قضائے الٰہی سے انتقال کر گئی ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ جو امیر تنظیم کی بیعت کرکے تنظیم اسلامی میں باقاعدہ شمولیت اختیار کرنے سے پہلے جماعت اسلامی کی فعال کارکن تھیں، ملک نصر اللہ خان عزیز مرحوم کی صاحبزادی تھیں، گویا تصنیف و تالیف کا فن اور دعوتی و تحریکی جذبہ انہیں ورثے میں ملا تھا۔ مرحومہ کچھ عرصے سے سرطان کے عارضہ میں مبتلا تھیں۔ ان کی شدید خواہش تھی کہ ان کی نماز جنازہ امیر محترم پڑھائیں۔ ان کا انتقال ٹھیک اسی شب ہوا جس شب امیر محترم کی امریکہ سے واپس تشریف آوری ہوئی۔ مرحومہ کی خواہش کے احترام میں امیر محترم ہی نے ان کی نمازہ جنازہ پڑھائی۔

اللھم اغفرلھا وارحمھا وادخلھا فی رحمتک وحاسبھا حسابا یسیرا

اطلاع برائے قارئین: آسان عربی گرامر، حصہ سوم چھپ کر آگئی ہے اور مکتبہ مرکزی انجمن سے حاصل کی جاسکتی ہے

دعوتی و تحریکی نقطہ نگاہ سے امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک نہایت اہم تالیف

"نبیؐ اکرم ﷺ کا مقصد بعثت"

کا انگریزی ترجمہ درج ذیل عنوان کے تحت شائع ہو گیا ہے

The Objective and Goal of MUHAMMAD'S PROPHETHOOD (SAW)

صفحات ۵۶' دبیز سفید کاغذ' عمدہ طباعت' دیدہ زیب ٹائٹل' قیمت ـ/۳۶

مزید برآں

امیر تنظیم اسلامی کے سیاسی افکار اور تحریکی سرگرمیوں کی تفصیل پر مشتمل
محترمہ شگفتہ احمد کا ایک تحقیقی مقالہ (بزبان انگریزی)

جسے موصوفہ نے کینیڈا کی میک گل یونیورسٹی میں ایم اے کے تھیسس کے طور پر مرتب کیا تھا

DR. ISRAR AHMAD'S Political Thought and Activities

کے عنوان سے کتابی صورت میں شائع کر دیا گیا ہے۔
صفحات ۱۶۸' سفید کاغذ' عمدہ آفسٹ طباعت' قیمت : مجلد ـ/۱۰۰' پیپر بیک ـ/۷۲

شائع کردہ : مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

فرقہ وارانہ کشیدگی

سے اصل فائدہ کس کو؟ اور شدید نقصان کس کا؟

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے ۲۴ جنوری کے خطاب جمعہ کا خلاصہ

پاکستان میں شیعہ سنی کشیدگی کی نئی لہر کو عالمی اور بین الاقوامی حالات کے پس منظر میں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ اس پوری کائنات پر اصل حکمرانی اللہ تعالیٰ کی ہے' اس نے اس سلسلہ کون و مکاں کو صرف تخلیق ہی نہیں کیا بلکہ وہ اس کے تخت حکومت پر متمکن بھی ہے۔ وہ صرف کائنات کا خالق ہی نہیں بلکہ حکمران اور مدبر بھی ہے۔ بدقسمتی سے مادہ پرستانہ فکر کے زیراثر ہم میں سے اکثر کو اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی تدبیر امر کا شعور نہیں رہا' اور ہم بالعموم مادی اسباب و علل ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھتے ہیں۔ اس نکتے کو ذہن میں مستحضر رکھنا چاہئے کہ اگرچہ کائنات میں ارادہ اور اختیار رکھنے والی مخلوقات بھی موجود ہیں' لیکن اللہ تعالیٰ ان مخلوقات کی آزادی عمل میں خلل ڈالے بغیر اپنی مشیت پوری کرلیتا ہے اور اپنی تدبیر کا راستہ نکال لیتا ہے۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک وقت میں ایک ہزار سال کی منصوبہ بندی کرلیتا ہے' جسے تدبیر امر کہا گیا ہے۔ قرآن و حدیث کی واضح خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا اپنے آخری انجام یعنی قیامت کی طرف تیزی سے بڑھ رہی ہے' تاہم قیامت سے پہلے کل روئے ارضی پر اللہ کا دین لازماً غالب ہو گا اور خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا نظام پوری دنیا پر قائم ہو کر رہے گا۔ لیکن اس سے پہلے سابقہ مسلمان امت یعنی یہود پر ان کی بدعملی اور بے عملی کی سزا میں عذاب استیصال آئے گا اور ساتھ ہی موجودہ مسلمان امت یعنی امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کے کرتوتوں کی سزا ملے گی۔ یہود کی آخری سزا یا extermination ان کے اپنے رسول یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد معجزانہ طور پر ہو گی۔ دوسری طرف مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو سزا ملنا ہے وہ ان کے افضل ترین حصے یعنی عالم عرب پر یہود کے ہاتھوں آئے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ دین سے انحراف کی مجرم بحیثیت مجموعی پوری امت مسلمہ ہے' تاہم سب سے بڑے مجرم عرب مسلمان ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے خاص رتبہ دیا تھا' حضور ﷺ عربوں میں سے تھے اور قرآن حکیم عربوں کی اپنی زبان میں نازل ہوا ہے۔ اس بلند رتبے اور فضیلت کے باوجود عربوں نے

روگردانی کی ہے تو ان کی سزا بھی شدید ترین ہو گی۔ ظاہر ہے عربوں میں نیک اور باعمل مسلمان بھی موجود ہیں' لیکن ان کی حیثیت محض استثنائی ہے' جبکہ عذاب کا فیصلہ کسی قوم کے مجموعی طرز عمل کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ غیر عرب مسلمانوں میں سب سے بڑے مجرم اہل پاکستان ہیں' اور یہ عین ممکن ہے کہ اگر ہم نے اپنی روش نہ بدلی تو جس طرح اہل عرب پر یہود کے ہاتھوں عذاب آنا ہے اسی طرح پاکستانی مسلمانوں پر ہنود کے ہاتھوں سزا آجائے۔

اس وقت عالمی حالات یہ ہیں کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کو دنیا کی واحد سپر پاور کی حیثیت حاصل ہے' اور امریکی غلبے کے پردے میں یہود کے عالمی مالیاتی استعمار یعنی نیو ورلڈ آرڈر کی طاقت اور اس کا اثر و رسوخ مسلسل بڑھ رہا ہے۔ بظاہر دنیا کی باگ ڈور امریکہ' اقوام متحدہ اور سلامتی کونسل وغیرہ کے ہاتھ میں ہے' لیکن پس پردہ اصل طاقت یہود کی ہے۔ اس وقت WASP یعنی White Anglo-Saxon Protestants یہود کے سب سے بڑے آلہ کار بن چکے ہیں' پہلے یہ حیثیت سلطنت برطانیہ کو حاصل تھی لیکن دوسری عالمی جنگ کے بعد امریکہ نے اس کی جگہ لے لی ہے' اور دونوں پر اصل control یہود کا ہے۔ یہ واضح رہے کہ امریکی عوام اس سارے کھیل میں مجرم نہیں ہیں' کیونکہ وہ خود اس وقت یہود کے شکنجے میں گرفتار ہیں۔

یہود کے اس عالمی استعمار کے خلاف مزاحمت کے چند ہی مراکز باقی رہ گئے ہیں۔ اگرچہ سوویت یونین کا قلع قمع ہو چکا ہے لیکن خطرہ ہے کہ وہ دوبارہ مقابلے پر نہ آجائے۔ چین اس عالمی استعمار کے لئے لوہے کا چنا ثابت ہو رہا ہے جبکہ وسط ایشیا کی آزاد ریاستوں میں بھی اشتراکیت کے دوبارہ احیاء کا امکان موجود ہے۔ عالمی استعمار کی کوشش ہے کہ ملکوں کے درمیان سرحدوں کو معدوم کر کے مختلف معاشی بلاک بنا دیئے جائیں تاکہ ان سے اپنی مرضی منوانا آسان ہو جائے۔ کوئی ملک اتنا طاقتور نہ ہو کہ وہ نیو ورلڈ آرڈر کو چیلنج کر سکے' لہٰذا اسی مقصد کے لئے علیحدگی کی تحریکوں کی حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے۔ عالم اسلام کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً سارا عالم عرب اس نئے استعمار کے سامنے سجدہ ریز ہو چکا ہے۔ شمالی افریقہ کو فتح کیا جا چکا ہے۔ لیبیا اور سوڈان کی معاشی انقطاع کے ذریعے گوشمالی کی جا رہی ہے۔ خلیج کی جنگ میں عراق کا پہلے ہی بھرکس نکل چکا ہے۔ بھارت کے مشرق میں واقع تین مسلمان ممالک یعنی بنگلہ دیش' انڈونیشیا اور ملائیشیا کا بقیہ عالم اسلام کے ساتھ جغرافیائی تعلق نہیں ہے۔ نیز بنگلہ دیش اور انڈونیشیا مجموعی طور پر سیکولر ہو چکے ہیں اور ملائشیا کی اپنی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ان ممالک میں اسلامی تحریکیں بھی کمزور ہیں۔

ان حالات میں صرف افغانستان' پاکستان' ایران' اور وسط ایشیاء کی مسلم ریاستوں پر مشتمل

خطہ ہی وہ واحد سرزمین ہے جو عالمی استعمار کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے آگے بند قائم کر سکتا ہے۔ خلیج کی جنگ کے موقع پر اس وقت کے سالار فوج جنرل مرزا اسلم بیگ نے امریکہ میں پاکستانیوں کے ایک ادارے سے ملنے والی اطلاع کی بنیاد پر بیان دیا تھا کہ عراق کے بعد ایران اور پھر پاکستان کی باری آئے گی' اور یہ اطلاع اب صحیح ثابت ہو رہی ہے۔ عالمی قوتوں کا نشانہ نمبرایک اس وقت ایران ہے' جس پر فیصلہ کن حملے کے لئے تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ آخری ضرب لگانے سے پہلے ایران کو اس خطے میں پوری طرح تنہا (Isolate) کرنے کے لئے ایک گہری سازش ہو رہی ہے۔ چنانچہ ایک طرف افغانستان میں کٹر سنی اور حنفی طالبان کی حکومت قائم کرائی گئی اور دوسری جانب پاکستان میں شیعہ سنی فساد کی آگ بھڑکا کر ایران اور پاکستان کے تعلقات خراب کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ فرقہ وارانہ محاذ آرائی سے صرف عالمی یہودی استعمار کو فائدہ پہنچے گا جبکہ اس کا نقصان اسلام اور اسلامی احیائی تحریک کو ہوگا۔ پاکستان اگرچہ اس وقت بین الاقوامی مالیاتی اداروں کا پوری طرح غلام بن چکا ہے' تاہم اس ملک میں احیائی تحریکوں کے اثرات بہت نمایاں ہیں' نیز فوج میں اسلامی جذبہ طاقتور ہے' جبکہ بقیہ تمام عالم اسلام میں فوج سیکولر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام دشمن طاقتوں کا نشانہ ہمارا ہی خطہ بن رہا ہے۔

شیعہ سنی اختلاف کی تاریخ تقریباً اتنی ہی پرانی ہے جس قدر خود امت مسلمہ کی تاریخ۔ چنانچہ حضور ﷺ کی وفات کے صرف ۲۵ سال بعد ایک یہودی سازش کے نتیجہ میں الفتنہ الکبریٰ برپا ہوا' حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت ہوئی' اور پھر ساڑھے چار برس کی خانہ جنگی میں ایک لاکھ مسلمان ایک دوسرے کے ہاتھوں مارے گئے۔ اس موقع پر شیعان علیؓ اور شیعان عثمانؓ کے مابین صرف حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص لینے کے معاملے میں سیاسی نوعیت کا اختلاف تھا جس نے آگے چل کر مذہبی اور عقیدے کے اختلاف کی شکل اختیار کرلی۔ فقہ جعفریہ اسی طرح کی ایک فقہ ہے جیسے فقہ حنفی یا مالکی وغیرہ۔ تاہم امامت معصومہ کا عقیدہ' صرف اہل بیتؓ سے منتقل ہونے والی روایات کو قابل قبول سمجھنا اور خلافت راشدہ کی پہلی تین خلافتوں کو غاصبانہ قرار دینا' یہ سب بہت بعد کی پیداوار ہیں۔ ہندوستان میں شیعیت ایران سے شہنشاہ ہمایوں کے ذریعے درآمد ہوئی۔ واضح رہے کہ شیعہ اور سنی اختلافات صدیوں سے موجود رہے ہیں' اور سنی علماء کی طرف سے اہل تشیع کے غلط عقائد پر تنقید بھی ہوتی رہی ہے' لیکن کبھی بھی بحیثیت مجموعی اہل تشیع کی تکفیر نہیں کی گئی۔ ہندوستان میں بھی شیعہ اور سنی ساتھ ساتھ رہتے رہے ہیں اور محرم کے جلوسوں کے مسئلے کے سوا کبھی عمومی نوعیت کے فسادات نہیں ہوئے۔ شیعہ سنی ہم آہنگی کے مظاہر تین مواقع پر

سامنے آئے، یعنی تحریک پاکستان کے دوران، ۱۹۵۰ء میں ۲۲ دستوری نکات پر علماء کے اتفاق رائے کے موقع پر، اور ۱۹۶۲ء میں عائلی قوانین کے خلاف علماء کے متفقہ موقف کی شکل میں۔ موجودہ کشیدگی کا آغاز ۱۹۷۹ء میں ایرانی انقلاب کے بعد پاکستان کے بعض شیعہ عناصر کی طرف سے جارحانہ انداز اختیار کرنے سے ہوا جب سینوں کے شدید رد عمل کے بعد اس معاملے میں تلخی پیدا ہونے لگی۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس وقت اہل تشیع کے جارحانہ انداز کے پیچھے ایران کا ہاتھ تھا یا نہیں، لیکن موجودہ حالات میں یہ بات صد فی صد واضح ہے کہ شیعہ سنی کشیدگی در حقیقت نیو ورلڈ آڈر کی سازش کا نتیجہ ہے جس کا مقصد ایران کو تنہا کر کے اس کے خلاف فیصلہ کن اقدام کرنا ہے۔ اس وقت یا تو مقامی مذہبی جنونیت غیر شعوری طور پر عالمی سازش کا آلہ کار بن رہی ہے، یا پھر دہشت گردی اور دونوں فرقوں کے سرکردہ افراد کے قتل کے پیچھے را یا موساد کا براہ راست ہاتھ بھی ہو سکتا ہے۔

۱۸/جنوری کو لاہور کے سیشن کورٹ کا دھماکہ ہمارے لئے خطرے کا سرخ سگنل ہے۔ اگر شیعہ اور سنی آپس میں لڑ پڑے تو یہ کشیدگی اور فساد پہلے ایران کے خلاف استعمال ہو گی اور پھر خود ہمارے خلاف۔ اس مسئلے کا حل دونوں گروہوں سے متعلق افراد کی بڑے پیمانے پر گرفتاریوں سے نہیں ہو گا، اور نہ کتابوں اور مناظروں سے یہ مسئلہ حل کیا جا سکتا ہے۔ ملی یک جہتی کونسل بھی اس معاملے میں کچھ نہیں کر سکتی۔ اصل حل یہ ہے کہ ایک اعلیٰ تر نصب العین پر قوم کو جمع کیا جائے۔ اگر شیعہ اور سنی مسلمان پاکستان میں اسلامی انقلاب لانے کے لئے متفق ہو کر جمع ہو جائیں تو فرقہ وارانہ اختلافات معدوم ہو جائیں گے، جس طرح یہ اختلافات تحریک پاکستان کے دوران اور پھر ۱۹۵۰ء اور ۱۹۶۲ء میں معدوم ہو گئے تھے۔ شیعہ سنی اتحاد کے لئے واحد ٹھوس اساس یہ ہے کہ پاکستان کی شیعہ اقلیت اپنے لئے وہی دستوری اور قانونی حیثیت قبول کر لے جو ایران میں سینوں کو دی گئی ہے۔ یعنی پاکستان میں قانون ملکی تو اہل سنت کے عقائد و نظریات کے مطابق ہو لیکن Personal Law میں اہل تشیع کو مکمل آزادی دی جائے۔

مولانا ابو الاعلیٰ مودودی مرحوم کے دیئے ہوئے اسلام کے انقلابی فکر کی بنیاد پر قائم ہونے والی جماعت اسلامی اس وقت چار حصوں میں بٹ چکی ہے، جس میں تنظیم اسلامی اور تحریک اسلامی کے دونوں حزب بھی شامل ہیں۔ اگر جماعت اسلامی انتخابی سیاست کی دلدل سے نکل آئے تو ان چاروں جماعتوں کا وفاق بنایا جا سکتا ہے تا کہ پاکستان میں اسلامی انقلاب کے لئے مل جل کر جدوجہد کی جا سکے۔

رمضان' قرآن اور پاکستان

امیر تنظیم کے ۱۰ جنوری کے خطاب جمعہ سے ماخوذ

رمضان المبارک اور قرآن حکیم کا باہم گہرا تعلق ہے' چنانچہ یہی وہ مہینہ ہے جس میں قرآن حکیم کو لوح محفوظ سے سمائے دنیا پر اتارا گیا۔ یہ عظیم واقعہ جس مبارک شب میں پیش آیا قرآن اس کو لیلتہ القدر کہتا ہے' ایک رات جو اپنی عظمت کے اعتبار سے ہزار مہینوں سے بہتر اور افضل ہے۔ اس مہینے کی برکتوں اور رحمتوں سے کماحقہ' فیضیاب ہونے کے لئے دن کے روزے کے ساتھ ساتھ قیام الیل کا التزام بھی ضروری ہے' یعنی اس مبارک مہینے کی راتوں کا بڑا حصہ قرآن حکیم کے ساتھ بسر ہونا چاہئے۔ وطن عزیز پاکستان کا بھی ماہ رمضان کے ساتھ قریبی تعلق ہے۔ چنانچہ سب جانتے ہیں کہ پاکستان کا قیام رمضان کی ستائیسویں شب کو ہوا۔ نزول قرآن کی طرح پاکستان کا قیام بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک عظیم مظہر ہے۔ نیز مصور و مفکر پاکستان علامہ اقبال کا قرآن حکیم کے ساتھ رشتہ بھی اسی تعلق کی ایک اور روشن مثال ہے۔ اقبال کی فکر بجائے خود عہد حاضر میں قرآن حکیم کی عظمت اور حقانیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اقبال ہمارے دور کے رومی اور فکر قرآنی کے مجدد ہیں۔ ان کی شخصیت میں قرآن اور پاکستان دونوں یکجا ہو جاتے ہیں۔ میں خود کو اقبال کا ادنیٰ عقیدت مند اور خوشہ چین سمجھتا ہوں اور اقبال ہی کی فکر اور سوچ کو تین مختلف جہتوں میں عملی جامہ پہنانے کے لئے کوشاں ہوں' یعنی دعوت رجوع الی القرآن' بیعت کی بنیاد پر خالص اسلامی جماعت کا قیام اور جاگیردارانہ و سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف نعرۂ انقلاب بلند کرنا۔ علامہ اقبال بیعت و امارت کی بنیاد پر ایک انقلابی جماعت قائم کرنا چاہتے تھے جس کا نام "شبان المسلمین ہند" طے ہو گیا تھا' لیکن برطانوی سامراج کے مسلط کردہ ایجنٹوں کی وجہ سے یہ ہفت خواں طے نہ ہو سکا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ پاکستان جو اقبال کے خواب کی تعبیر ہے لازماً اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا گہوارہ اور عالمی نظام خلافت کا نقطہ آغاز بنے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ گزشتہ چار صدیوں کی تجدیدی مساعی کے اثرات اس سرزمین میں موجود ہیں' اور معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے منصوبے میں اس علاقے کی خاص اہمیت ہے۔ پاکستان کا باپ اسلام ہے تو اس کی ماں جمہوریت ہے' پاکستان الیکشن کے ذریعے سے وجود میں آیا ہے۔ پاکستان کی بقاء اور استحکام کے لئے اسلام اور جمہوریت دونوں لازم ہیں۔ سیاسی استحکام کے لئے ناگزیر ہے کہ یہاں انتخابات کا راستہ ہرگز نہ روکا جائے۔ ۳/ فروری کو لازماً انتخابات ہونا چاہئے اور انہیں کسی بھی صورت میں ملتوی نہ کیا جائے۔ پاکستان میں دو جماعتی نظام کا ابھرنا جمہوریت کے لئے خوش آئند ہے' لہٰذا بے نظیر بھٹو کو ہرگز انتخابات کا بائیکاٹ نہیں کرنا

چاہئے۔ نگران حکومت پیپلزپارٹی کے دشمنوں کو حکومت میں شامل کر کے اور اسے منقسم کرنے کی کوشش کر کے ایک بڑی غلطی کی مرتکب ہوئی ہے۔ تاہم بے نظیر کو چاہئے کہ موجودہ دو جماعتی نظام میں اپنا کردار ادا کرے اور سندھ کارڈ کھیلنے کا بارے میں نہ سوچے۔ اس وقت ملک میں جیسی کچھ بھی جمہوریت ہے اس کا حال سب کو معلوم ہے' تاہم جب تک یہاں ایک حقیقی اسلامی انقلاب نہیں آتا اس وقت تک اسے Rules of the game کے مطابق چلنے دینا چاہئے۔

جماعت اسلامی کے امیر جناب قاضی حسین احمد صاحب نے فروری کے عام انتخابات کا بائیکاٹ کر کے درست قدم اٹھایا ہے اور وہ اس پر مبارک باد کے مستحق ہیں۔ اب چاہئے کہ انتخابی سیاست کو مستقل طور پر خیرباد کہہ کر ان کی جماعت قوم کی اخلاقی و فکری تربیت کی طرف توجہ دے۔ الیکشن کو عوامی قوت کے ذریعے روکنے کی کوشش سے تباہ کن نتائج برآمد ہونے کا اندیشہ ہے۔ اگر جماعت اسلامی یہ روش اختیار کرتی ہے تو عین ممکن ہے کہ اس کی Street power کے غبارے سے ہوا نکل جائے اور ملک میں اسلام کے مستقبل کو نقصان پہنچے۔ دوسری طرف بدامنی اور فساد کی وجہ سے مارشل لاء کا راستہ بھی ہموار ہو سکتا ہے اور عین ممکن ہے کہ ہمارے اندرونی حالات کو مخدوش پاکر بھارت کوئی فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے' خصوصاً موجودہ حالات میں جب کہ وہ بنگلہ دیش اور چین سے اپنے معاملات طے کر چکا ہے۔ انتخابات میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش سے خطرہ ہے کہ ملک کی گاڑی جمہوریت کی پٹڑی سے ایک مرتبہ پھر نہ اتر جائے۔

قومی سلامتی کونسل کا قیام دراصل مارشل لاء کی پہلی قسط ہے اور اس کی بدولت ۲۵ فیصد مارشل لاء ملک میں آگیا ہے۔ تاہم یہ صرف سیاستدانوں کی ناکامی کا شاخسانہ ہے۔

اگر جماعت اسلامی الیکشن کا راستہ ترک کر کے نظام اسلامی کے قیام کے لئے انقلابی راستہ اختیار کرنے پر تیار ہو تو تنظیم اسلامی کی طرف سے ایک متحدہ وفاق کی پیش کش موجود ہے۔ جماعت اسلامی' تنظیم اسلامی اور تحریک اسلامی مل کر افراد کو جمع اور منظم کرنے کی کوشش کریں تا کہ ایک انقلابی تحریک چلانے کے لئے افرادی قوت فراہم ہو سکے۔ احتساب کا عمل عام انتخابات کے بعد بھی جاری رہنا چاہئے۔ قادیانیوں کو "احمدی" لکھنے کا فیصلہ کر کے نگران حکومت نے ایک حساس اور طے شدہ معاملے کو چھیڑنے کی غلطی کی ہے۔ یہ فیصلہ فوراً واپس ہونا چاہئے۔ آئندہ آنے والی حکومت کے لئے لازم ہے کہ وہ سب سے پہلے مردم شماری کرائے۔ اور مذہب کے ساتھ مسلک کا خانہ بھی رکھا جائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ ملک میں مختلف مسالک کے ماننے والوں کی کتنی تعداد ہے۔ یہ قدم اس لئے ضروری ہے کہ مستقبل میں اسلامی ریاست کے تحت مختلف مسالک کے پیروکاروں کو Personal Law میں آزادی دینا لازم ہوگی۔

(مرتب : ڈاکٹر احمد افضال)

حقیقتِ تصوّف

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک اہم خطاب
جس کے بعض حصوں کو "تنظیم الاخوان" نے سیاق و سباق سے کاٹ کر کیسٹ کے ذریعے عام کیا!

قریباً ڈیڑھ سال قبل تنظیم اسلامی کے ملتزم رفقاء کی ایک خصوصی تربیت گاہ میں امیر تنظیم اسلامی نے جہاں فلسفہ و حکمت دین سے متعلق دیگر اہم موضوعات پر اظہار خیال فرمایا وہاں "حقیقت تصوف" کے موضوع پر بھی ایک مفصل لیکچر میں اپنے خیالات و افکار کو مرتب انداز میں شرکاء کے سامنے رکھا۔ چنانچہ اس خطاب میں جہاں تصوف کے مقاصد کے حوالے سے بعض مثبت باتوں کا ذکر آیا وہاں اس کے بعض دیگر پہلوؤں کے حوالے سے کچھ منفی باتوں کا بیان بھی ہوا۔ گزشتہ سال ہمارے علم میں یہ بات آئی کہ ریاض (سعودی عرب) میں تنظیم الاخوان کا حلقہ تصوف کے حوالے سے اپنے نظریات کی تائید میں محترم ڈاکٹر صاحب کا ایک کیسٹ عام کر رہا ہے۔ ریاض میں مقیم تنظیم اسلامی کے رفقاء نے جب تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ امیر محترم کے مذکورہ بالا خطاب کے بعض حصوں کو سیاق و سباق سے کاٹ کر ایک ایسا کیسٹ تیار کیا گیا ہے جس میں تصوف سے متعلق صرف مثبت باتوں کا تذکرہ ہے اور خطاب کے وہ تمام حصے حذف کر دیئے گئے ہیں جن کے ذریعے تصویر کا دوسرا رخ سامنے آتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ یہ طرز عمل دیانت و اخلاق کے ہر اصول کے صریحاً منافی تھا۔ ریاض کے رفقاء تنظیم نے جب تنظیم الاخوان کے دوستوں سے اس پر احتجاج کیا تو ان کا جواب "عذر گناہ بد تر از گناہ" کے مصداق تھا کہ "آپ خواہ اسے بد دیانتی شمار کریں یا کوئی بھی فتویٰ لگائیں' اپنے اعتبار سے ہم اسے جائز سمجھتے ہیں"۔ ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے!

تنظیم اسلامی ریاض کے امیر جناب رضا محمد گجر نے اس پر ایک احتجاجی خط ۲۲ فروری ۹۶ء کو تنظیم الاخوان کے امیر مولانا محمد اکرم اعوان کے نام لکھا لیکن وہاں سے بھی تاہنوز کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ اس صورتحال کے پیش نظر تنظیم کی مجلس عاملہ نے فیصلہ کیا کہ اس خطاب کو جو دو کیسٹوں پر محیط ہے' مکمل صورت میں قسط وار "میثاق" میں شائع کیا جائے اور ان حصوں کو نمایاں انداز میں شائع کیا جائے جس کو تنظیم الاخوان والوں نے اپنی کیسٹ سے حذف کر دیا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے کی پہلی قسط پیش خدمت ہے۔ محذوف کی گئی عبارات کو جلی طرز میں اور کم چوڑائی میں کمپوز کیا گیا ہے تاکہ قارئین کو یہ جاننے میں سہولت ہو کہ خطاب کے کن حصوں کو ہمارے "الاخوانی" دوستوں نے محذوف کر دیا تھا۔ (ادارہ)

الحمد لله وكفى' والصلوٰة والسلام على عباده الذين اصطفى' خصوصًا على افضلهم وخاتم النبيين محمد الامين وعلى آله وصحبه اجمعين --- اما بعد فقد قال اللّٰه تبارك وتعالى كما ورد فى سورة للمائده:

اعوذ باللّٰه من الشيطٰن الرجيم بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم

﴿ لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوا' وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ○ ﴾

صدق الله العظيم --- رب اشرح لى صدرى' ويسرلى امرى' واحلل عقده من لسانى' يفقهوا قولى - اللهم ربنا الهمنا رشدنا واعذنا من شرور انفسنا - اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه- اللهم نور قلوبنا بالايمان واشرح صدورنا للاسلام- اللهم وفقنا لما تحب وترضى - اللهم ربنا زدنا ايمانًا وهدًى وعلمًا نافعًا وعملاً صالحًا متقبلا - اللهم ربنا اجعلنا من عبادك المخلصين وعبادك المحسنين - آمين يا رب العالمين!

مسائلِ حکمت کے ضمن میں ہمارے آج کے موضوع کا جامع عنوان "تصوف" ہے۔ اور اس ضمن میں خاص طور پر یہ کہ اس کا سنت رسول علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے انحراف کس نوعیت کا تھا اور کیوں ہوا؟ چونکہ یہ موضوع بہت طویل ہے' اس لیے میں تمہید میں کوئی وقت ضائع کیے بغیر براہ راست گفتگو کا آغاز کر رہا ہوں اور کوشش کروں گا کہ تکرار اور اعادے کی ضرورت کم سے کم پیش آئے۔

پہلی بات یہ کہ تصوف کا موضوع اور مقصد کیا ہے؟ اس کے ضمن میں پہلا مشاہدہ (observation) یہ ہے کہ تصوف کا موضوع اور مقصد صدفی صد درست اور خالص

اسلامی ہے۔ اگر ہم اسے معین الفاظ کا جامہ پہنائیں تو اولاً جہل سے نجات اور معرفت کا حصول۔ ثانیاً تہذیب و تزکیہ نفس (تہذیب = مہذب بنانا۔ ہم نے دسویں جماعت میں شعر پڑھا تھا ؎

هَذِّبوا بنیکم عَلِّمُوا فتیاتِکم

هذّبوا اولادَ کم یعنی "اپنی اولاد کو مہذب بناؤ"۔ اولاد کے لئے تعلیم کے ساتھ تہذیب کا لفظ آتا ہے) ثالثاً تصفیۂ قلب اور تجلیۂ روح (تجلیہ = اللہ کی تجلی سے کوئی حصہ پانا) اس ضمن میں میرے استاد مرحوم مولانا منتخب الحق قادری رحمہ اللہ نے ابن سینا کا ایک جملہ سنایا تھا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تجلیات ربانی سے تمہیں کوئی حصہ ملے تو "فجاهِدْ فِی خَلوَاتِكَ"۔ اپنی خلوتوں میں مجاہدے کرو' مراقبے کرو "فلعلّ شعشعةً تلمع لكَ" تو شاید کبھی کوئی شعاع تمہارے لئے بھی چمک اٹھے۔ رابعاً' خالق سے خلوص واخلاص (اور دنیا و مافیہا سے بے رغبتی) اور خامساً' مخلوق کی خدمت۔ شیخ سعدیؒ کا بہت پیارا شعر ہے ؎

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست
بتسبیح و سجادہ و دلق نیست

یعنی طریقت تو صرف خدمت خلق کا نام ہے' سوائے خدمت خلق کے طریقت کی کوئی حقیقت نہیں۔ ہاتھ میں تسبیح ہو' جائے نماز کندھے پر ہو اور دلق یعنی گدڑی اپنے اوپر اوڑھی ہوئی ہو یہ تصوف اور طریقت نہیں ہے' بلکہ طریقت تو نام ہے خدمت خلق کا۔ اب ظاہر ہے کہ یہ تمام مقاصد دین ہی کے مقاصد ہیں' جو مطلوب ہیں۔ لہٰذا جہاں تک تصوف کے مقاصد اور تصوف کے موضوع کا تعلق ہے وہ عین دین ہے' وہ عین مطلوب ہے۔

لیکن اس کے ضمن میں پہلی ہمالیہ جیسی غلطی (Himalayan Blunder) اس کے لئے خالص غیر قرآنی ہی نہیں بلکہ ایک مجہول النسب عنوان کا اختیار کر لیا جانا ہے۔ یہ دو الفاظ نوٹ کر لیجئے۔ ایک تو یہ

لفظ غیر قرآنی ہے۔ لفظ تصوف کا کوئی تعلق نہ قرآن سے ہے نہ سنت اور حدیث سے۔ دوسرے یہ کہ یہ لفظ مجہول النسب ہے، جس کا نسب ہی معلوم نہیں۔ یہ سب سے زیادہ ثقیل گالی ہے جو میں اس لفظ تصوف کو دے رہا ہوں۔ اس کے بارے میں پہلی بات یہ نوٹ کر لیجئے کہ یہ لفظ دوسری صدی ہجری کے اختتام کے قریب استعمال ہونا شروع ہوا۔ ڈاکٹر میر ولی الدین نے تو اس کے لئے باقاعدہ سن معین کیا ہے، ۸۲۲ عیسوی۔ حضور ﷺ کا انتقال ۶۳۲ء میں ہوا، اور ہجرت ۶۲۲ء میں ہوئی، تو حضور ﷺ کے انتقال کے ۱۹۰ برس بعد، بلکہ قمری تقویم کے اعتبار سے ۱۹۶ برس بعد، یہ لفظ ایجاد ہوا ہے۔

دوسری بات یہ نوٹ کیجئے کہ اس کے ماخذ کے بارے میں جو چار آراء رہی ہیں کہ یہ لفظ عربی کے کس مادے سے اخذ کیا گیا ہے، ان میں سے تین تو بالکل غلط ہیں اور ان کا غلط ہونا صد فی صد ثابت ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ یہ لفظ "صفا" سے بنا ہے، حالانکہ صرف و نحو کے کسی قاعدے کی رو سے "صفا" سے "صوفی" کا لفظ نہیں بن سکتا بلکہ اس سے "صفوی" بنے گا، جیسے خاندان صفوی۔ دوسری رائے یہ ہے کہ تصوف کا لفظ "صف" سے بنا ہے، لیکن یہ اس سے بھی ہرگز نہیں بن سکتا۔ "صف" کے ساتھ یائے نسبت کا اضافہ کریں تو "صَفّی" بنے گا نہ کہ "صوفی"۔ تیسری رائے یہ کہ یہ "صُفّہ" سے بنا ہے، وہ بھی غلط ہے، کیونکہ صُفّہ سے "صُفّی" بنتا ہے، صوفی نہیں۔ ڈاکٹر میر ولی الدین ان لوگوں میں سے ہیں جو قدیم اور جدید دونوں کے عالم ہیں۔ ان کی فلسفے میں ڈاکٹریٹ تھی اور اسلامی تصوف پر ان کی متعدد کتابیں ہیں۔ ان کی ایک تصنیف قرآنی تصوف پر ہے جس میں انہوں نے تسلیم کیا ہے کہ یہ تینوں باتیں بے بنیاد ہیں۔

البتہ ایک رائے یہ ہے کہ اس کا مصدر یا مادہ لفظ "صوف" ہے اور عام طور پر یہی بات مانی جاتی ہے کہ یہ صوف ہی سے بن سکتا ہے اور اکثر لوگوں کی رائے یہی ہے کہ یہ "صوف" ہی سے بنا ہے۔ اس ضمن میں اپنی رائے میں بعد میں بیان کروں گا' لیکن یہ بات ایک درجے میں قابل قبول ضرور ہے۔ گرائمر میں صوف سے صوفی بن جاتا ہے۔ اس اشتقاق کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ جو اللہ والے حضرات تھے' جن کی زیادہ توجہ دنیا کی بجائے اللہ کی طرف تھی' ان میں دنیا و مافیہا سے بے رغبتی تھی' اللہ کے ساتھ خلوص و اخلاص تھا اور یہ کہ وہ معرفت کے حامل تھے' جنہوں نے تہذیب نفس' تصفیۂ قلب اور تجلیۂ روح کی منزلیں طے کی تھیں' جن میں درویشی تھی' یہ حضرات اون کا لباس پہنا کرتے تھے جس کے نیچے کوئی اور لباس نہیں ہوتا تھا' تاکہ اس کے ذریعے چبھن اور بے آرامی کا احساس ہوتا رہے۔ یعنی آرام کی بجائے سختی کی عادت پڑے۔ یہی لفظ اقبال نے اس شعر میں استعمال کیا ہے :

صوفیٔ پشمینہ پوشِ حال مست
از شرابِ نغمۂ قوال مست

تو یہ لوگ اون کا کھردرا لباس پہنتے تاکہ اندر سے بال کانٹے رہیں تو ان کی کیفیت یہ رہے کہ نفس کو استراحت کے بجائے تکلیف اور کوفت کا احساس ہوتا رہے۔ اس رائے پر تقریباً اجماع ہے اور یہ لغت کے اعتبار سے بھی صحیح ہے۔

اس ضمن میں میری رائے مختلف ہے اور اپنے علم کی حد تک میں اس رائے میں منفرد ہوں۔ میرے نزدیک لفظ "تصوف" کا ماخذ یونانی لفظ "Sophia" ہے جو بعض علوم کے ساتھ لاحقے کے طور پر آتا ہے۔ مثلاً Philosophy۔ یونانی میں sophia کا معنی ہے wisdom یعنی حکمت و دانائی' اور sophos حکیم و دانا (wise) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لفظ تصوف در حقیقت Theosophy سے بنا ہے جو عرفان و

معرفتِ خداوندی کا علم ہے۔ theo کا لفظ یونانی زبان میں خدا کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اسی سے Theocracy کی اصطلاح ہے جو مذہبی لوگوں کی حکومت کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ اور میں نے بارہا کہا ہے کہ میں اس ضمن میں مولانا مودودی مرحوم کی رائے کو بالکل صحیح سمجھتا ہوں کہ اسلامی ریاست نہ تھیوکریسی ہے اور نہ ڈیموکریسی' بلکہ یہ ایک تھیوڈیموکریسی ہے' کیونکہ اس میں "theo" اور "demo" دونوں عنصر جمع ہیں۔ تو theosophy کا لفظ آج بھی استعمال ہوتا ہے' اور درحقیقت تصوف کا لفظ یہیں سے آیا ہے۔ دوسری صدی ہجری کے دوران یونانی فلسفہ اور نو افلاطونی تصوف کا ایک بہت بڑا سیلاب عالمِ اسلام پر آچکا تھا۔ لفظ تصوف کے اشتقاق کے بارے میں یہ میری ذاتی رائے ہے' کوئی اسے قبول کرنا چاہے تو کرے' نہ کرنا چاہے تو رد کر دے۔ بہرحال اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ مجہول النسب لفظ ہے۔

اس ہمالیہ جیسی غلطی کے جو ہولناک نتائج نکلے' ان میں سے اولین یہ ہے کہ کتاب و سنت کی اہم اصطلاح "احسان" سے محجوبیت اور محرومی ہوگئی اور اب ہمیں لفظ احسان کے صرف ایک ہی معنی معلوم رہ گئے ہیں کہ کسی سے حسن سلوک کرنا' کسی سے بھلائی کرنا۔ اگرچہ اس لفظ کے یہ معنی بھی ہیں' ازروئے الفاظ قرآنی "اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ" لیکن "احسان" دین کی ایک اہم اصطلاح ہے۔ اسلام کے بعد ایمان اور ایمان کے بعد احسان کا درجہ ہے۔ اس کا مفہوم ہے کسی بھی شے میں حسن پیدا کر دینا۔ ایک ہے مارے باندھے کا کوئی کام کیا' اس کے بنیادی تقاضے اور لوازم پورے کر دیئے' لیکن ایک ہے پوری جان کھپا کر' دل لگا کر' پوری توجہ اور اپنی ساری صلاحیتوں اور توانائیوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اس کام کو اچھے سے

اچھا، عمدہ سے عمدہ انداز سے کرنا۔ حدیث نبویؐ کے الفاظ ہیں : اذا قتلتم فاحسنوا القتلة واذا ذبحتم فاحسنوا الذبحة یعنی کسی کو قتل کرنا ہے تو بھی خوبصورتی کے ساتھ قتل کرو اور کسی جانور کو ذبح کرنا ہے تو اسے بھی خوبصورتی کے ساتھ ذبح کرو۔ کسی کو اذیتیں دے دے کر نہ مارو۔ آج کل سعودی عرب میں جو beheading ہوتی ہے یعنی جب سر قلم کیا جاتا ہے تو ایک ہی وار ہوتا ہے۔ سوائے رجم کی سزا کے جس کے لئے ایک عبرت ناک ماحول پیدا کرنا مقصود ہے۔ اسی طرح ذبح کرنا مقصود ہو تو چھری تیز ہونی چاہئے تا کہ جانور کو تکلیف نہ ہو، بس ایک ہی مرتبہ آپ کی چھری اس مقصد کو پورا کر دے۔

یہ بہت بڑی محرومی ہے کہ دین کی ایک اتنی بنیادی اصطلاح جو حدیث جبرائیلؑ میں آئی ہے ان الفاظ کے حوالے سے کہ فاَخبِرنی عَنِ الاسلام، اَخبرنی عن الایمان، اخبرنی عن الاحسان اس سے امت محروم اور محجوب ہو گئی۔ قرآن مجید کی جو آیت میں نے ابتداء میں آپ کو سنائی اس میں ایمان کے دو مرحلے بیان ہوئے، ایک قانونی ایمان اور دوسرا حقیقی ایمان۔ یہ ہمارے منتخب نصاب کی ایک مرکزی بحث ہے کہ قانونی ایمان یعنی اسلام اور حقیقی ایمان میں کیا فرق ہے۔ قانونی ایمان کے درجے میں عمل علیحدہ ہے ایمان سے، جبکہ حقیقی ایمان کے درجے میں آکر عمل جزو لاینفک بن جاتا ہے ایمان کا۔ پھر اس سے اوپر تیسرا درجہ احسان کا ہے۔ اس ضمن میں سورۃ مائدہ کی یہ آیت بڑی اہم ہے :

﴿ لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا' وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ○﴾ (آیت ۹۳)

جو لوگ بھی ایمان اور عمل صالح پر مسلسل کاربند رہے ان پر کوئی الزام نہیں اس میں جو کچھ وہ کھا پی چکے ---- یعنی اگر کسی نے کسی شے کی حرمت قطعی کا حکم آنے سے قبل کھایا پیا ہے تو اس کا معاملہ یہ نہیں ہے کہ اب وہ حرام شے گویا جسم میں رچ بس گئی ہو ---- درآنحالیکہ ان کی روش یہ رہی کہ انہوں نے تقویٰ اختیار کیا پھر ایمان لائے' اور عمل صالح کیا' پھر اور تقویٰ بڑھا تو وہ مزید ایمان لائے' یعنی ایمان حقیقی تک پہنچ گئے۔ نوٹ کیجئے کہ اس آیت میں پہلا ایمان وہ ہے جسے قانونی ایمان کہنا چاہئے' یعنی جس کے ساتھ عمل صالح علیحدہ حیثیت سے آتا ہے' اور دوسرا ایمان وہ حقیقی ایمان ہے کہ جس میں عمل کی کیٹیگری علیحدہ نہیں رہی بلکہ وہ اس کا جزو لاینفک ہے۔ چنانچہ امام بخاریؒ کا قول ہے کہ "الایمان قولٌ وَعملٌ"۔ ایمان حقیقی کے حصول کے بعد جب تقویٰ اور بڑھا تو اب وہ احسان کے درجے پر فائز ہو گئے۔ "وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ" اور اللہ تعالیٰ کے محبوب تو وہی ہیں جو محسنین ہیں۔

اس ضمن میں حدیث رسولؐ نوٹ کیجئے کہ "ما ابتدَع قومٌ بدعةً الانزع اللّٰه عنهم من السنةِ مثله" کہ جہاں کوئی بدعت آئے گی وہاں سے کوئی نہ کوئی سنت یقیناً رخصت ہو جائے گی۔ ہر بدعت قامِعِ سُنّت ہے۔ ہر بدعت لازماً کسی سنت کا ازالہ کرے گی یعنی اسے displace کرے گی۔ لہٰذا یہاں پر تصوف کے لفظ نے احسان کی خالص دینی اصطلاح کی جگہ لے لی۔

اس کا دوسرا نتیجہ وہ نکلا جو میرے نزدیک پہلے سے بھی زیادہ

خطرناک ہے۔ یعنی کتاب و سنت کے شیدائیوں میں اس سے بُعد پیدا ہو گیا۔ عنوان سے بُعد ہوا تو اس کے contents سے بھی دوری پیدا ہو گئی اور نتیجتاً نری ظاہر پرستی باقی رہ گئی۔ اگرچہ صرف عنوان ہی کی وجہ سے بُعد نہیں ہوا تھا بلکہ اس کی دیگر وجوہات بھی تھیں جنہیں ہم آگے چل کر سمجھیں گے۔ تاہم واقعہ یہ ہے کہ قلبی و ذہنی بُعد کا آغاز عنوان کی تبدیلی ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ دوری کے اس عمل (phenomnon) کا نقطۂ عروج ہے محمد بن عبدالوہابؒ کی شخصیت۔

تصوف پر اس انداز سے اعتراض کیا جائے کہ یہ دورِ نبویؐ کے بعد کی پیداوار ہے تو جواباً کہا جاتا ہے کہ دیگر علوم بھی تو حضورؐ کے زمانے میں نہیں تھے۔ لیکن تصوف کے سوا دیگر علوم کے عنوانات قرآن و حدیث ہی سے ماخوذ ہیں۔ مثلاً "تفسیر" کا لفظ قرآن مجید میں آیا ہے: "اَحۡسَنَ تَفۡسِیۡرًا" اور یہ لفظ دورِ صحابہؓ میں بھی مستعمل تھا۔ اسی طرح تفقّہ کا لفظ قرآن میں ہے' اور حضورؐ کی حدیث ہے کہ "اللّٰھُمَّ فَقِّھۡہُ فِی الدِّیۡن"۔ یہ دوسری بات ہے کہ دین کے ایک خاص شعبہ کو فقہ کہہ دیا گیا لیکن یقیناً وہ بھی تفقہ کا جزو ہی ہے۔ اسی طرح حدیث کا لفظ بھی قرآن میں ہے: "فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَہٗ یُؤۡمِنُوۡنَ"۔ یہ قرآن بھی "حدیث" ہے۔ لیکن قرآن حدیثُ اللہ ہے' اور جسے اصطلاح میں حدیث کہتے ہیں وہ حدیثِ رسولؐ ہے۔ لہٰذا ہمارے جو بھی دینی علوم ہیں ان کا منبع و سرچشمہ اور ان کے عنوانات قرآن و حدیث ہی سے ماخوذ ہیں۔ لہٰذا میں اس دلیل کو تسلیم نہیں کرتا کہ جیسے اور دینی علوم ہیں ویسے ہی تصوف بھی ہے۔ نہیں! اس لئے کہ آپ نے عنوان ہی جدا کر دیا اور ایک ایسا لفظ اختیار کر لیا جس کا کتاب و سنت کے ساتھ سرے سے کوئی تعلق نہیں اور مستزاد یہ کہ اس کا یہ بھی

کچھ پتہ نہیں کہ یہ لفظ کہاں سے آیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جس شخص کو کتاب و سنت سے لگاؤ اور تمسک ہے اور جس کی شخصیت میں کتاب و سُنّت راسخ ہو چکے ہیں اسے یقیناً تصوف سے بُعد نہ سہی حجاب تو ضرور محسوس ہوگا۔ لہٰذا تصوف سے بُعد کی پہلی وجہ تو اس کا اجنبی عنوان ہی ہے اور اس بعد میں دیگر اسباب کی وجہ سے اضافہ ہوتا چلا گیا کیونکہ اس فکر میں جو بیرونی نظریات اور فلسفے آئے' ان سے وہ حجابات بڑھتے گئے' یہاں تک کہ انہوں نے منافرت کی شکل اختیار کر لی۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے تصوف سے دوری کی سب سے نمایاں مثال محمد بن عبدالوہابؒ ہیں۔ ویسے میں انہیں مجددین کی فہرست میں شامل کرتا ہوں کہ انہوں نے بدعات کا قلع قمع کیا' غیر اسلامی رسومات کی بیخ کنی کی' دین کی تعلیمات پر جو جھاڑ جھنکار آ گیا تھا اسے ہٹایا اور کم از کم دین کے عملی اور ظاہری پہلو کو نکھارنے کا کام سرانجام دیا۔ اس پہلو سے وہ مجددینِ اُمّت میں شامل ہیں۔

لیکن اگر محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کا ان کے ہم عصر حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے تقابل کیا جائے تو محمد بن عبدالوہابؒ کی شاہ ولی اللہؒ کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔ شاہ صاحبؒ کی جامعیت کبریٰ کو ذہن میں رکھئے کہ وہ ظاہر و باطن دونوں کے جامع ہیں جبکہ محمد بن عبدالوہابؒ کی حیثیت صرف دین اور کتاب و سنت کے ظاہری پہلو کے حوالے سے ہے۔ یہاں ضمنی طور پر اس بات کو سمجھ لیجئے کہ تجدیدی اور احیائی تحریکوں میں دین کے باطنی پہلو کے مفلوج ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ان تمام تحریکوں کے سامنے ایک مثال اور امام کی حیثیت سے محمد بن عبدالوہابؒ کی نجدی تحریک رہی ہے۔ اس لئے کہ یہی ایک تحریک تھی جس نے اسلام کا نظام حکومت دوبارہ قائم کیا' شریعت کا نفاذ کیا' شعائرِ دین کی پابندی شروع کی' اگرچہ انہوں نے یہ کام آلِ سعود کے تعاون

سے کیا لیکن بہرحال یہ تحریک تجدید و احیائے دین کی تمام تحریکوں کے لئے ایک مثال بن گئی۔ اس ضمن میں ابن تیمیہؒ کا نام بھی آتا ہے لیکن ان کی شخصیت بہت مختلف تھی۔

اب ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں' یعنی تصوف کا طریق معقول و مسنون تھا کیا؟ میرے نزدیک جو طریقہ کتاب و سنت سے منصوص ہے وہی طریق محمدیؐ ہے اور وہی طریقہ درحقیقت عقل و منطق سے قریب بھی ہے۔ اس ضمن میں پہلی قابل توجہ بات وہی ہے جو تنظیم اسلامی کی قرارداد تاسیس کے اولین جملے میں بیان ہوئی ہے یعنی یہ کہ "دین کا اصل مخاطب فرد ہے"۔ مطلب یہ ہے کہ ہر انسان اللہ تعالیٰ کے باغ کا ایک حسین پودا ہے' اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ پودا پروان چڑھے' اس میں جو بھی امکانات اس نے ودیعت فرمائے ہیں وہ بروئے کار آئیں' اس کی شخصیت پھول کی مانند کھلے۔ مجھے بیدل کا شعر یاد آگیا ؎

ستم است گر ہوست کشد کہ بہ سیرِ سرو و سمن درا
تو ز غنچہ کم نہ دمیدہٗ درِ دل کشا بہ چمن درا

یہ شعر میرے استاد مولانا منتخب الحق قادری نے ایک کلاس میں پڑھا تھا اور اگرچہ میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں سنا تھا لیکن ان کے پڑھنے کا اعجاز تھا اور میرے ذہن کی مناسبت کا مظہر تھا کہ یہ شعر مجھے اسی وقت یاد ہوگیا۔ شاعر کہتا ہے کہ بڑا ہی ستم کا معاملہ ہے' بڑا ظلم ہے کہ تمہیں خواہش نفس کھینچ کر لے جاتی ہے کہ چلو باغ میں پھول دیکھیں' سرو و سمن کی بہار دیکھیں۔ حالانکہ معاملہ تو یہ ہے کہ تو خود ایک کھلا ہوا غنچہ ہے' اپنے دل کا دروازہ کھولو اور جو باطنی چمن اللہ تعالیٰ نے تمہارے اندر کھلا رکھا ہے کبھی اس کی سیر بھی کرو! تم جو خارج کے پھولوں کی سیر

کرتے پھرتے ہو کبھی اپنے من میں ڈوب کر بھی دیکھو۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ہر انسان اللہ کا لگایا ہوا پودا ہے اور اللہ چاہتا ہے کہ یہ پھلے پھولے، کُھلے، کِھلے، اس کی شخصیت پروان چڑھے۔ اس کے اندر کے تمام محاسن ظاہر ہوں، تمام امکانات جو اس میں potentially ودیعت کئے گئے ہیں وہ بروئے کار آئیں۔ یہاں پر سورۂ مائدہ ہی کی وہ آیت یاد کیجئے جس میں کہا گیا ہے کہ "عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ، لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ" یعنی ہر انسان پر اصل ذمہ داری اس کی اپنی ہے۔ دوسروں کے لئے دعوت، تلقین، تبلیغ، نصیحت جو بھی ممکن ہو، کرے، اس لئے کہ یہ کام فرائض کے درجے میں ہیں۔ لیکن اگر میری کوشش کے باوجود کوئی نہیں مانتا تو اپنے اعمال کا وہ خود جوابدہ ہے، میری اصل ذمہ داری میری ذات کی حد تک ہے۔ اگر میری کوتاہی ہوگی تو میں پکڑا جاؤں گا۔ لہٰذا مجھے اس حوالے سے سوچنا چاہئے کہ میں اپنے فرائض ادا کروں۔ جہاں تک دوسروں کا تعلق ہے اس ضمن میں یہ اصول بیان فرمادیا گیا ہے کہ "لَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ" آپ سے تو مواخذہ نہیں ہوگا کہ یہ لوگ کیوں جہنم میں چلے گئے۔

سورۂ مائدہ کی مذکورہ بالا آیت کا غلط مفہوم بھی لیا گیا ہے، اور یہ غلطی دورِ صحابہؓ ہی میں ہونے لگی تھی۔ لوگوں نے اس آیت کو دلیل بنایا اس بات پر کہ ہمیں دعوت و تبلیغ یا نصیحت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس دور میں بھی ہر طرح کے لوگ موجود تھے، منافقین بھی تھے اور اپنے فرائض سے جی چرانے والے بھی۔ لہٰذا اُس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خطبے میں ارشاد فرمایا کہ تم اس آیت کا غلط مفہوم لے رہے ہو، "عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ" سے یہ مراد نہیں ہے کہ تم دعوت و تبلیغ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضے سے بری ہو گئے ہو۔ تاہم یہ حقیقت اپنی جگہ پر ہے کہ ہر شخص پر اصل ذمہ داری اس کی اپنی

ذات ہی کے حوالے سے عائد ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰؑ کا قول قرآن میں نقل ہوا ہے کہ : "رَبِّ اِنِّی لَآ اَمۡلِکُ اِلَّا نَفۡسِی وَاَخِی" کہ اے رب میرا اختیار تو صرف اپنے نفس پر اور اپنے بھائی (ہارونؑ) پر ہے۔ یہاں بھائی کا ذکر صرف اس لئے آگیا کہ وہ خود تیار رتھے' ورنہ ظاہر ہے کہ اپنے بھائی پر بھی کسی انسان کو اختیار حاصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح فرمایا کہ : "اِنَّکَ لَا تَھۡدِی مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھۡدِی مَنۡ یَّشَآءُ"۔

لہٰذا پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر انسانی شخصیت کا ارتقاء ہوتا ہے اور اس شخصیت کی تعمیر یعنی اس میں ودیعت شدہ potentialities کو بروئے کار لانا ہے تو یہ کام کس طرح ہو گا؟ یہاں اس حقیقت کو سمجھ لینا چاہئے کہ انسان کا وجود دو اجزائے ترکیبی پر مشتمل ہے جو باہم متضاد ہی نہیں' ایک دوسرے کے مخالف بھی ہیں۔ متضاد کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ دو چیزوں میں باہم تضاد پایا جاتا ہو' اور ضروری نہیں کہ ان میں مخالفت اور کشمکش بھی ہو رہی ہو۔ جبکہ مخالفت کا مفہوم یہ ہے کہ ان کے مابین رسہ کشی یا کھینچ تان کی کیفیت بھی ہے۔ انسانی شخصیت کے اندر دو متحارب اور باہم مخالف اور متضاد عناصر اس کا نفسِ حیوانی اور اس کی روحِ ملکوتی ہیں۔ لہٰذا کرنے کا کام یہ ہے کہ روحانی عنصر کی تقویت و تغذیہ کا سامان کیا جائے اور دوسری طرف حیوانی عنصر کی تربیت و تزکیہ کا بندوبست کیا جائے۔ اس عمل اور جدوجہد کے دو رخ (aspects) ہوں گے۔ اس بات کو اس حدیث کے حوالے سے سمجھئے جس میں بتایا گیا ہے کہ رمضان کے دنوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی منادی ندا کرتا ہے : "یَا بَاغِیَ الۡخَیۡرِ اَقۡبِلۡ وَیَا بَاغِیَ الشَّرِّ اَدۡبِرۡ" یعنی اے خیر کے طالب آگے بڑھ کہ یہ نیکیوں کا موسم بہار ہے اور اے شر کے

طالب پیچھے ہٹ اور لوٹ جا! ہمارے اندر بھی ایک خیر کا عنصر ہے اسے تقویت دیجئے' اس کی تقویت و تغذیہ کا اہتمام کیجئے' یہ ایک رخ ہو گیا۔ دوسرا رخ یہ ہے کہ جو شر کی طرف کھینچنے والا عنصر ہے اس کو دبایئے' اسے contain کیجئے' اس کی تہذیب کیجئے' اس کا تزکیہ کیجئے۔

اس تہذیب و تزکیہ کا مقصد نفس کو فنا کر دینا نہیں ہے۔ ضبطِ نفس یعنی self-control اور تہذیب و تزکیہ نفس یعنی self-purification' یہ دونوں چیزیں مطلوب ہیں۔ لیکن نفس کشی یا self-annihilation کا اسلام میں کوئی تصور نہیں ہے۔ یہ چیز دراصل باہر سے آئی ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے انسانوں کی جو اقسام بیان کی ہیں وہ انہی دو عناصر کی بنیاد پر ہیں' یعنی قوتِ ملکوتی اور قوتِ بہیمی۔ سب سے بلند درجے پر وہ لوگ ہیں جن کی مَلکیت بھی بہت قوی اور بہیمیت بھی بہت قوی ہے۔ اس لئے کہ قوتِ کار اور قوتِ عمل دراصل بہیمیت ہی سے متعلق ہے۔ اور سب سے نچلے درجے پر وہ لوگ ہیں جن کی بہیمیت قوی اور مَلکیت ضعیف ہے۔ بہرحال نوٹ کیجئے کہ اسلام میں نفس کُشی یا self-annihilation کا کوئی مقام نہیں ہے' البتہ ضبطِ نفس یعنی self-control کا حصول مطلوب ہے' جسے میں تہذیبِ نفس کہہ رہا ہوں' اور دوسری مطلوب شے ہے تزکیۂ نفس یعنی self-purification۔ ان دونوں کا ایک نتیجہ نکلتا ہے جس کے لئے میں نے ایک نئی اصطلاح وضع کی ہے یعنی "تحریرُ الرُّوح"۔ میں یہاں "تحریر" کا لفظ حریت کے معنی میں استعمال کر رہا ہوں۔ تحریر الروح یعنی liberation of the soul or spirit۔ یہ نکتہ "عظمتِ صوم" نامی کتابچے میں بیان ہو چکا ہے کہ نفس حیوانی کا غلبہ جتنا شدید ہو گا اسی قدر ہماری روح ان بیڑیوں میں مقید رہے گی' اور نفس حیوانی کا غلبہ جتنا کمزور پڑے گا اسی تناسب سے روح کو آزادی ملے گی۔ تہذیب و تزکیہ نفس کا نتیجہ تحریر الروح کی شکل میں نکلتا ہے' یعنی روح درحقیقت نفسِ امارہ کے تسلط سے آزاد ہوتی ہے۔

اب تک ہم نے یہ سمجھا ہے کہ دین کا اصل مقصود فرد کی تعمیر و ترقی ہے۔ فرد مرکب

ہے دو متخالف اور متحارب عناصر سے، لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ خیر کی قوت یعنی روح کی تقویت اور تغذیہ کا بندوبست ہو اور شر کی طاقت یعنی نفسِ امارہ کی تہذیب اور تزکیہ کا سامان کیا جائے۔ اب سوال یہ ہے کہ روح کی تقویت کا کیا ذریعہ ہے؟ ایک لفظ میں اسے بیان کیا جائے تو وہ ہے ذکرِ الٰہی۔ اس کا فلسفہ کیا ہے؟ میرا جو پہلا کتابچہ شائع ہوا تھا یعنی "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" میں اس میں اس بات کی پوری وضاحت کر چکا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ روح انسانی میں اللہ تعالیٰ کی معرفت موجود ہے ایک شعورِ خفتہ (dormant consciousness) کی شکل میں! اس لئے کہ ہماری روح اللہ تعالیٰ کی ذات کا جزو تو ہرگز نہیں ہے، لیکن صادر تو وہیں سے ہوئی ہے۔ یہ امرِ رب ہے۔ تو کیا یہ روح اندھی اور بہری ہو سکتی ہے؟ معاذ اللہ! البتہ سوئی ہوئی ہے، اور اللہ کا ذکر اس کو بیدار کرتا ہے۔ جناب یوسف سلیم چشتی مرحوم نے ایک مرتبہ جرمن فلسفی کانٹ کا ایک جملہ سنایا تھا:

Hume awakened me from my dogmatic slumber

انگریزی فلسفی ڈیوڈ ہیوم کی کتابیں پڑھ کر کانٹ کہتا ہے کہ میں اپنے اندھے عقیدے کی دھن میں سویا ہوا تھا کہ ہیوم نے مجھے جگا دیا۔ اسی طرح حفیظ جالندھری کی ایک نظم ہے "جاگ سوزِ عشق جاگ"۔ میں نے اپنے ہائی سکول کے بالکل ابتدائی زمانے میں یہ گیت سنا تھا جس کے الفاظ آج بھی مجھے یاد ہیں ؎ "تم ہی نے مجھ کو پریم سکھایا، سوئے ہوئے ہِردے کو جگایا"۔ ہندی میں "ہِردہ" کہتے ہیں جی یا نفس کو۔ تو یہ ایک بہت بڑی حقیقت ہے کہ انسان کی روح میں سب کچھ پہلے سے موجود ہے۔ میں نے اپنے کتابچے "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصدِ بعثت" میں دو الفاظ استعمال کئے ہیں کہ اس روح کے اندر معرفت رب بھی موجود ہے اور محبت رب بھی۔ اس کی ہمارے صوفیاء نے جو مثال دی ہے وہ یہ ہے کہ ہماری روح کا ذات باری تعالیٰ کے ساتھ وہی تعلق ہے جو سورج کی کرن کا سورج کے ساتھ ہوتا ہے۔ سورج کی کرن اپنے source سے کروڑ ہا میل دور چلی جائے لیکن اس کا تعلق سورج سے منقطع نہیں ہوتا۔

لہٰذا ذکرِ الٰہی کا اصل فائدہ یہ ہے کہ اس کی بدولت روح بیدار ہوتی ہے، اس کا سویا

ہوا شعور متحرک (activate) ہوتا ہے۔ اس ضمن میں سورۂ نور کے پانچویں رکوع کے درس میں جو بحث آتی ہے اس کو بھی یہیں جوڑ لیجئے۔ نورِ وحی اور نورِ فطرت کے امتزاج سے نورِ ایمان وجود میں آتا ہے اور در حقیقت یہ سارا معاملہ ایمان ہی کا ہے۔ ایمان صرف زبانی اقرار تک ہے تو یہ "اسلام" ہے۔ جب ایمان دل کی گہرائی میں اتر کر راسخ ہو گیا اور تصدیق بالقلب حاصل ہو گئی تو یہ "ایمان" ہے۔ پھر جب اسی ایمان میں وہ شدت اور گہرائی پیدا ہو گئی کہ مومن یہ محسوس کرنے لگا کہ وہ گویا اللہ کو دیکھ رہا ہے یا کم سے کم یہ استحضار حاصل ہو گیا کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے تو یہ "احسان" کی منزل ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ "احسان" کے درجے کو بیان کرنے کے لئے ہماری زبان میں اس سے بہتر کوئی مثال نہیں ہے کہ یہ ایمان کی اُس کیفیت کا نام ہے کہ ایک شخص غیبی حقائق کو گویا آنکھوں کے سامنے موجود پائے۔ یقین کی گہرائی کے لئے اس سے آگے کوئی استعارہ اور کوئی تعبیر ممکن نہیں ہے۔ ایمان جب اس شدت کو پہنچ جاتا ہے کہ "كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ" کی کیفیت حاصل ہو جائے تو یہی احسان ہے اور یہی مقامِ ولایت ہے۔

اب یہاں میں اصل موضوع سے کسی قدر ہٹ کر ایک بات بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اسے ایک ضمیمہ سمجھ لیجئے۔ اس بات کو میں نے حقیقتِ ایمان کے موضوع پر ہونے والے محاضرات میں تفصیل سے بیان کیا ہے کہ حصول ایمان کے تین ذرائع ہیں۔ اولاً یہ کہ صاحبِ یقین کی صحبت سے ایمان حاصل ہوتا ہے، جیسے آپ آگ کی بھٹی کے پاس بیٹھیں گے تو حرارت ملے گی۔ ثانیاً یہ کہ شریعت پر عمل پیرا ہونے سے بھی ایمان پیدا ہوتا ہے۔

> لیکن یہ دونوں قسم کے ایمان ایک نوع کے blind faith کے درجے میں ہیں۔ اس میں شعوری یا intellectual عنصر نہیں ہے، اس میں فہم و تفقّہ نہیں ہے۔ اگرچہ ان ذرائع سے حاصل ہونے والے ایمان میں گہرائی تو ہو سکتی ہے لیکن اس میں گیرائی یا وسعتِ فکر و نظر نہیں ہو گی۔ وہ ایمان جس میں شدتِ یقین کے ساتھ ساتھ وسعتِ فکر و نظر بھی ہو، جس میں گہرائی کے علاوہ ایک شعوری یا intellectual عنصر بھی

ہو' ایسا علیٰ وجہ البصیرت ایمان صرف قرآن سے ملے گا۔ قرآن کے سوا کسی اور ذریعے سے اس نوعیت کا ایمان نہیں مل سکتا۔ یہاں اس نکتے کو بھی سمجھ لیجئے کہ حدیث کی رُو سے ایمان کا افضل ہونا اور شے ہے اور ایمان کا اَعْجَب یا wonderful اور fascinating ہونا اور شے ہے۔ یعنی ایک ایمان کی افضلیت ہے اور دوسرے اس کی اعجبیت ہے۔ اہل سنت کے ہاں یہ مسلّم ہے کہ سب سے افضل ایمان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہے' یہاں تک کہ ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کا ایمان بھی بڑے سے بڑے ولی اللہ اور دانشور کے شعوری ایمان سے افضل مانا جائے گا۔ لیکن یہ ذہن میں رکھئے کہ مختلف صحابہ ؓ کے ایمان میں بھی فرق تھا۔ ظاہر ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی صحبت تو تمام صحابہ ؓ کو حاصل تھی لہٰذا صحبت سے حاصل ہونے والا ایمان سب میں مشترک تھا' لیکن صحابہ ؓ میں بہت فہیم اور باشعور یعنی intellectual افراد بھی تھے جنہوں نے قرآن حکیم سے شعوری ایمان اخذ کیا تھا۔ لہٰذا یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ معاذ اللہ تمام صحابہ کرام کا ایمان محض blind faith تھا' اگرچہ یہ اپنی جگہ حقیقت ہے کہ صحابہ ؓ کا غیر شعوری ایمان بھی چونکہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے حاصل ہوا تھا لہٰذا وہ قیامت تک افضل رہے گا۔ البتہ ایمان کا حسین اور اَعجب ہونا ایک بالکل مختلف بات ہے' اور یہ راستہ آج بھی کھلا ہوا ہے۔ دیکھئے حضور ﷺ نے ہمارے احساسِ محرومی کے ازالے کے لئے کیسی کیسی باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ میری امت کا معاملہ بارش کی مانند ہے' نہیں کہہ سکتے کہ اس کا اول حصہ بہتر ہوگا یا آخر۔ لہٰذا اگر ہم حضور ﷺ کے زمانے میں پیدا ہونے سے محروم رہ گئے تب بھی کوئی حرج نہیں کہ صدیقیت اور شہادت اور صالحیت کے تمام مراتب آج بھی قابلِ حصول ہیں۔

صرف نبوت کا دروازہ بند ہے، لیکن وہ صحابہؓ کے لئے بھی بند تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ مراتب حاصل کرنے کے مواقع موجود ہیں، محنت کرو اور اکتساب کرو۔ دوسری وہ حدیث ہے جس میں حضورؐ نے صحابہؓ سے سوال کیا کہ مخلوقات میں حسین ترین (اَعْجَب) ایمان کس کا ہے؟ انہوں نے کہا ملائکہ کا۔ آپؐ نے فرمایا کہ ملائکہ کیسے ایمان نہ لاتے وہ تو اپنے رب کے حضور حاضر ہیں، ان پر تو حقائق منکشف ہیں۔ مراد یہ ہے کہ ان کا کیا کمال ہوا؟ صحابہؓ نے کہا کہ پھر انبیاءؑ کا ایمان اعجب ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ وہ کیسے ایمان نہ لاتے، ان پر تو وحی نازل ہوتی ہے۔ اس پر صحابہؓ نے عرض کیا کہ پھر ہم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کیسے ایمان نہ لاتے جبکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ پھر آپؐ نے فرمایا: اِنَّ اعجبَ الخلقِ الیَّ ایمانًا یاْتُون مِن بعدِی یَجِدُون صُحُفًا فیہِ کتابُ اللّٰہ ویُؤمنون بما فیھا میرے نزدیک تو سب سے حسین ایمان ہمارے ان بھائیوں کا ہو گا جو میرے بعد آئیں گے (وہ میری صحبت نہیں پائیں گے بلکہ) انہیں تو اوراق ملیں گے جن میں اللہ کی کتاب درج ہو گی اور وہ اس پر ایمان لائیں گے۔

اب تک ہم نے جو بات سمجھی ہے وہ یہ ہے کہ اصل کام روح کو تقویت پہنچانا ہے، اس کا ذریعہ ذکر الٰہی ہے اور اس کا حاصل ایمان ہے۔ ذکر الٰہی کے ضمن میں اہم ترین شے قرآن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن اپنے آپ کو "الذکر" کہتا ہے۔ یہاں الف لام کو اگر حصر کے لئے سمجھا جائے تو مطلب ہو گا کہ کُل کا کُل ذکر یہی ہے اور اگر جنس کے لئے فرض کیا جائے تو مطلب ہو گا کہ کُل جنسِ ذکر اس قرآن میں محصور ہو گئی

(باقی صفحہ ۷۵ پر ملاحظہ فرمائیں)

خصوصیاتِ قرآن

پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم

مقدمہ

مضمون شروع کرنے سے پہلے بنی آدم کو اس حقیقت سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ موجودہ دنیائے اسلام کے سب سے بڑے مفکر یعنی علامہ اقبال کی نظر میں اس زندۂ جاوید کتاب کا کیا مرتبہ ہے؟

(۱) علامہ موصوف رموزِ بے خودی میں فرماتے ہیں ؎

آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم — حکمتِ او لایزال است و قدیم
نسخۂ اسرارِ تکوینِ حیات — بے ثبات از قوتش گیرد ثبات
حرفِ او را ریب نے، تبدیل نے — آیہ اش شرمندۂ تاویل نے
رہزناں از حفظِ او رہبر شدند — از کتابے صاحبِ دفتر شدند
گر تو می خواہی مسلماں زیستن — نیست ممکن جز بقرآں زیستن

(۲) جاوید نامہ میں فرماتے ہیں ؎

داستانِ کہنہ شستی باب باب — فکرِ راہ روشن کن از اُمّ الکتاب
چیست قرآں؟ خواجہ را پیغامِ مرگ — دستگیرِ بندۂ بے ساز و برگ
جُز بقرآں ضیغمی روباہی است — فقرِ قرآں اصلِ شاہنشاہی است
فقرِ قرآں اختلاطِ ذکر و فکر — فکر را کامل ندیدم جز بذکر
نقشِ قرآں تا دریں عالم نشست — نقش ہائے کاہن و پاپا شکست
فاش گویم آنچہ در دل مضمر است — ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود — جاں چو دیگر شد جہاں دیگر شود

با مسلماں گفت جاں بر کف بنہ — ہر چہ از حاجت فزوں داری بدہ

(۳) مسافر میں فرماتے ہیں ؎

صد جہاں باقیست در قرآں ہنوز — اندر آیاتش یکے خود را بسوز

برخور از قرآں اگر خواہی ثبات — در ضمیرش دیدہ ام آبِ حیات

می دہد ما را پیامِ **لَاتَخَفْ** — می رساند بر مقامِ **لَاتَخَفْ**

انسان جسم اور روح دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی جسمانی پرورش کے ساتھ ساتھ روحانی تربیت کا سامان بھی مہیا کیا۔ مختلف زمانوں میں، مختلف ملکوں میں اور مختلف قوموں میں ایسے قدسی نفوس حضرات پیدا کئے جنہوں نے اس کا پیغام بندوں کو سنایا اور روحانی ترقی کا راستہ دکھایا۔ اور جب بنی نوع آدم میں کافی استعداد ذہنی پیدا ہو گئی تو اس نے حضور سرور کائنات محمد مصطفیٰ ﷺ کی معرفت اپنی نعمت بتمام و کمال بندوں پر نازل فرما دی۔ اسی کا دوسرا نام قرآن مجید ہے جو اقوام اور افراد دونوں کے لئے مکمل ضابطہ حیات ہے اور قیامت تک ان کی ہر قسم کی رہنمائی کے لئے کافی ہے۔

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِينًا ﴾ (المائدۃ : ۳)

"(اے لوگو)! آج کے دن میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی۔ اور میں نے دین اسلام تمہارے لئے پسند کیا ہے۔"

چونکہ دین کامل ہو چکا، اور نعمت تمام ہو چکی اور اسلام خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کافی ہے، اس لئے ضمناً یہ بھی ثابت ہو گیا کہ قرآن مجید خدا تعالیٰ کا آخری پیغام یعنی خاتم الکتب ہے اور آنحضرت ﷺ خدا تعالیٰ کے آخری نبی یعنی خاتم النبیّن ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُولَ

اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ﴾ (الاحزاب : ۴۰)

"اور نہیں ہیں محمد ﷺ تمہارے مَردوں میں سے کسی کے باپ مگر وہ اللہ کے رسول ہیں اور سلسلۂ انبیاء کے ختم کرنے والے ہیں۔"

اسی لئے خود حضور انورؐ فرماتے ہیں :

((اَنَا خَاتَمُ النبیّین لانبیَّ بعدی))

"(اے لوگو!) خبردار ہو جاؤ کہ میں انبیاء کے سلسلہ کا ختم کرنے والا ہوں' میرے بعد (قیامت تک) کوئی نبی نہیں آئے گا۔"

واضح ہو کہ نبی یا رسول دراصل پیغام بر یا پیغام رساں ہوتا ہے' اور پیغام رساں کی ضرورت اسی وقت تک باقی رہتی ہے جب تک پیغام کا سلسلہ باقی رہے۔ جب قرآن مجید خود فرماتا ہے کہ دین کامل ہو گیا اور نعمت تمام ہو گئی تو اب خدا تعالیٰ قیامت تک کوئی پیغام یا ہدایت نہیں بھیجے گا۔ کیونکہ اگر ایسا ہو تو دین کے کامل ہو جانے کا جو دعویٰ قرآن مجید نے کیا ہے' وہ باطل ہو جائے گا۔ پس دنیا کو قیامت تک کسی پیغام رساں کی ضرورت نہیں ہے۔ یعنی منطقی طور پر ثابت ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ اگر کوئی مسلمان یہ کہتا ہے کہ نبی آسکتا ہے تو وہ اپنے قول سے قرآن مجید کی تردید کرتا ہے۔

لہٰذا مسلمانوں کو سب سے پہلے اس حقیقت سے آگاہ ہونا چاہئے کہ قرآن مجید کامل ہدایت ہے اور اسی لئے اس نے قیامت تک نبوت کے دروازہ کو بند کر دیا ہے۔ سرکارِ دوعالم ﷺ قصرِ نبوت کی آخری اینٹ ہیں۔ آپؐ کے بعد ہر مدعی نبوت خواہ وہ ظِلّی ہو یا بروزی' تشریعی ہو یا غیر تشریعی' لغوی ہو یا مجازی' امتی ہو یا غیر امتی' اصلی ہو یا نقلی' بلاشبہ اپنے دعویٰ میں کاذب اور اپنے منصب کے اعتبار سے دجال اور دائرہ اسلام سے کلیتاً خارج ہے' کیونکہ وہ اپنے دعویٰ سے دین اسلام کو ناقص قرار دیتا ہے۔

اس بات کا ثبوت کہ اب صرف قرآن مجید ہی وہ کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی نوع آدم کی رہنمائی کے لئے معین ہو چکی ہے فطرت کے اصولوں پر غور کرنے سے بھی مل سکتا ہے۔ اور فطرت کی شہادت اس قدر زبردست اور تسلی بخش ہوتی ہے کہ کسی شخص کو مجالِ انکار نہیں ہے۔ چونکہ اسلام فطرت انسانی کے عین مطابق ہے اسی لئے اللہ

تعالیٰ نے اسلام کو دین فطرت کے نام سے موسوم کیا ہے۔ فرمایا :

﴿ فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ حَنِيۡفًا ؕ فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا ؕ لَا تَبۡدِيۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ ۙ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۙ ﴾ (الروم : ۳۰)

''پس تو دین حنیف کی طرف مائل ہو۔ یعنی اللہ کی پیدا کی ہوئی فطرت' جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا۔ اس کی طرز تخلیق میں کبھی تبدیلی نہیں ہوگی۔ یہی قائم رہنے والا دین ہے' لیکن افسوس ہے کہ انسانوں کی اکثریت اس حقیقتِ عظمیٰ سے بے خبر ہے۔''

فطرت کی شہادت

عالم جسمانیات میں فطرت کا یہ اصول ابتدا سے کار فرما ہے کہ جو شے فائدہ رسانی کی صفت سے عاری ہو جاتی ہے فطرت اسے حیات انسانی کے نظام سے خارج کر دیتی ہے اور اس کی جگہ نئی چیز پیدا کر دیتی ہے۔ عموماً وہ ناکارہ شے صفحہ ہستی سے مٹ جاتی ہے۔ لیکن اگر اس کا ظاہری وجود باقی رہے تو بھی بنی آدم کی نظر میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ یعنی اس کا عدم اور وجود دونوں برابر ہو جاتا ہے۔

مثال کے طور پر ناریل' کھجور' آم یا امرود کے درخت کے لے لیجئے۔ جب تک ان درختوں میں پھل لانے یعنی انسان کو فائدہ پہنچانے کی خاصیت باقی رہتی ہے وہ سرسبز اور قائم رہتے ہیں۔ لیکن جب ان میں یہ صفت باقی نہیں رہتی تو یا فطرت انہیں سوکھا دیتی ہے یا خود انسان انہیں کاٹ کر پھینک دیتا ہے اور ان کی جگہ دوسرا درخت لگا دیتا ہے۔

پھلوں پر غور کیجئے۔ جب تک وہ کھانے کے لائق رہتے ہیں شاخوں پر لگے رہتے ہیں۔ لیکن جب ان کی پختگی پر ایک معین مدت گزر جاتی ہے تو وہ شاخ سے جدا ہو کر زمین پر گر پڑتے ہیں۔ ان کا گر پڑنا گویا انسانوں کو فطرت کی طرف سے آخری تنبیہ ہے کہ اگر انہیں فوراً استعمال نہ کیا گیا تو پھر وہ کھانے کے قابل نہ رہیں گے' بلکہ نفع کی جگہ نقصان پہنچائیں گے۔ سب جانتے ہیں کہ گلے سڑے پھلوں کے کھانے سے متعدد بیماریاں پیدا ہو

جاتی ہیں۔

پھولوں کی طرف دیکھئے، جب تک ان میں انسانوں کو فائدہ پہنچانے کی صفت یعنی خوشبو باقی ہوتی ہے وہ شاخوں پر لگے رہتے ہیں، لیکن جب خوشبو نکل جاتی ہے تو مرجھا کر زمین پر گر پڑتے ہیں۔ اگر فوراً اٹھا لئے جائیں تو کچھ دیر لطف دے سکتے ہیں، لیکن دوسرے دن ان میں کچھ بھی نہیں رہتا۔ یعنی مردہ ہو جاتے ہیں اور فطرت ان کی جگہ دوسری کلیوں کو شگفتہ کر دیتی ہے۔

ناریل کا درخت ۷۰ یا ۷۵ سال تک متواتر پھل دیتا ہے۔ جب یہ زمانہ ختم ہو چکتا ہے تو خود بخود اس کی جڑ کھوکھلی ہو جاتی ہے، اور اگر کسی وجہ سے ایسا نہیں ہوتا تو لوگ اسے کاٹ کر پھینک دیتے ہیں۔ اسی پر آپ فطرت کی تمام نعمتوں کو قیاس کر سکتے ہیں۔

فطرت کی جو چیزیں ابتدائے آفرینش سے اس وقت تک قائم ہیں ان کے قیام کی وجہ یہی تو ہے کہ ان میں ابھی تک شانِ افادیت یعنی فائدہ رسانی کی صفت باقی ہے، مثلاً آفتاب کہ حرارت اور روشنی کا ذخیرہ ہنوز اس کے اندر موجود ہے، اور جس دن اس کے یہ خواص زائل ہو جائیں گے تو وہ خود بھی معدوم ہو جائے گا۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس کے تاریک ہو جانے کو قیامت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور اس کا سبب یہی ہے کہ حیاتِ ارضی کا سارا نظام آفتاب پر مبنی ہے۔

﴿اِذَا الشَّمۡسُ كُوِّرَتۡ ۝﴾ (التکویر : ۱)

"جب آفتاب لپیٹ دیا جائے۔ (یعنی بے نور ہو جائے۔)"

پس فطرت کا یہی قاعدہ عالمِ روحانیات میں بھی جاری و ساری نظر آتا ہے۔ چنانچہ جب تک توریت میں تحریف نے راہ نہ پائی، یعنی جب تک اس میں فائدہ رسانی کی خاصیت باقی رہی، لوگ اس سے ہدایت حاصل کرتے رہے۔ لیکن جب انسانوں نے اسے اپنی اصلیت سے محروم کر دیا تو جس طرح بیکار درخت کی جگہ فطرت دوسرا درخت پیدا کر دیتی ہے، اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ نے توریت کی جگہ زبور نازل فرمائی۔ ایک عرصہ تک وہ محفوظ رہی اور لوگ اس سے فائدہ حاصل کرتے رہے۔ لیکن جب زمانہ کی دستبرد سے اس کی اصلیت بھی زائل ہو گئی تو اس کی جگہ انجیل نے لے لی۔ اور جب انجیل بھی فائدہ رسانی

کی صفت سے عاری ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے قرآن مجید نازل فرمایا۔ چونکہ یہ کتاب قیامت تک کے لئے ہدایت ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ بھی خود اٹھایا ہے۔ فرمایا :

﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ (الحجر : ۹)

"بلاشبہ ہم نے ہی یہ ذکر (قرآن) نازل فرمایا ہے اور ہم خود اس کے محافظ ہیں۔"

چونکہ یہ کتاب آج بھی بجنسہٖ محفوظ ہے' اس لئے آئین فطرت کے مطابق اس میں نفع رسانی کی صفت بھی بدستور موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں انسانوں کو اسی فطری اصول کی طرف بایں الفاظ متوجہ کیا ہے :

﴿ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِى الْاَرْضِ ﴾

(الرعد : ۱۷)

"اور جس چیز میں انسانوں کو نفع رسانی کی صفت موجود ہوتی ہے وہ زمین میں قائم رہتی ہے۔"

اب اس اصول پر تمام کتابوں کو پرکھ لیجئے۔ صرف قرآن مجید ہی اس پر پورا اتر سکتا ہے کیونکہ صرف یہی کتاب تحریف سے پاک ہے۔ اس دعویٰ کے ثبوت میں دو غیر مسلم عالموں کی شہادت پیش کرتا ہوں۔

سر ولیم میور اپنی کتاب "لائف آف محمد" کے دیباچہ میں لکھتے ہیں :

"دنیا میں آسمان کے نیچے قرآن کے علاوہ اور کوئی مذہبی کتاب ایسی نہیں ہے جس کا متن ابتدا سے لے کر اس وقت (۱۸۵۹ء) تک تحریف سے پاک رہا ہو"۔

دان کریمر مشہور جرمن مستشرق لکھتا ہے :

"ہم قرآن کو بالکل اسی طرح محمد کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کا مجموعہ یقین کرتے ہیں جس طرح مسلمان اسے خدا کا کلام سمجھتے ہیں۔"

یعنی فرق صرف یہ ہے کہ کریمر قرآن مجید کو کلام اللہ تسلیم نہیں کرتا' ورنہ صحتِ متن کے لحاظ سے وہ ہم سے بالکل متفق ہے۔

اب چونکہ قرآن مجید بجنسہٖ موجود ہے اور اس میں ایک شوشہ کی تبدیلی بھی نہیں

ہوئی ہے' اس لئے ثابت ہوا کہ اس کی اصلیت اور حقیقت میں بھی فرق نہیں آیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں فائدہ رسانی کی صفت ہنوز موجود ہے اور چونکہ یہ صفت ہنوز موجود ہے اس لئے آئین فطرت کے مطابق اس کی موجودگی میں ہمیں کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں ہے۔ اور خود قرآن مجید کا دعویٰ ہے کہ اس کی اصلیت ہمیشہ برقرار رہے گی۔ اس لئے قیامت تک قرآن کی ہدایت باقی رہے گی اور قیامت تک کوئی نیا نبی بھی نہیں آسکتا۔

فطرت کے مطالعہ سے کتب سابقہ کے منسوخ یا بیکار ہو جانے کی ایک اور دلیل بھی ہمیں ملتی ہے۔ وہ یہ کہ قرآن مجید کی زبان کے علاوہ باقی تمام مذہبی کتابوں کی زبانیں مردہ ہو چکی ہیں۔ اور ان زبانوں کا مردہ ہو جانا فطرت کی طرف سے اس امر کی تنبیہ ہے کہ ان کتابوں کا پیغام بھی مردہ (بیکار) ہو چکا ہے۔

(۱) وید سنسکرت میں ہیں اور سنسکرت مردہ ہو چکی ہے۔

(۲) دھمپد پالی میں ہیں اور پالی مردہ ہو چکی ہے۔

(۳) استا ژند میں ہے اور ژند مردہ ہو چکی ہے۔

(۴) انگہ پراکرت میں ہے اور پراکرت مردہ ہو چکی ہے۔

(۵) توریت عبرانی میں ہے اور عبرانی مردہ ہو چکی ہے۔

(۶) زبور سریانی میں ہے اور سریانی مردہ ہو چکی ہے۔

(۷) صحیفہ صائبیت کلدانی میں تھا اور کلدانی مردہ ہو چکی ہے۔

(۸) صحیفہ ابراہیمی بابلی زبان میں تھا اور بابلی زبان مردہ ہو چکی ہے۔

(۹) انجیل یونانی زبان میں ہے اور آرامی زبان میں نازل ہوئی تھی اور یونانی اور آرامی دونوں مردہ ہو چکی ہیں۔

(۱۰) قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا تھا اور آج بھی اسی زبان میں موجود ہے اور عربی زندہ ہے۔

القصہ دنیا کی تمام مذہبی کتابیں جن جن زبانوں میں آج اپنی محرّف و مبدّل شکل میں موجود ہیں وہ سب کی سب بلا استثنائے اَحدے مردہ اور فنا ہو چکی ہیں۔ صرف قرآن مجید

ہی زندہ زبان میں جلوہ گر ہے۔ یہ وہ فطری امتیاز ہے جو قرآن مجید کے علاوہ اور کسی کتاب کو حاصل نہیں ہے۔

چونکہ عربی زبان آج بھی زندہ ہے اور متعدد ممالک میں بولی، لکھی اور سمجھی جاتی ہے اس لئے قرآن مجید کے کسی لفظ کے معنی متعین کرنے میں بھی کسی قسم کی دشواری پیش نہیں آسکتی۔ لیکن دیگر کتب ساویہ ایک ایسے مقفل صندوق کی طرح ہیں جس کی کنجی گم ہو چکی ہو۔ مثلاً ویدوں کے متعدد الفاظ ایسے ہیں جن کے معنی آج کوئی شخص متعین نہیں کر سکتا۔ علاوہ بریں ایک ہی منتر کے معنی آریہ سماجی کچھ کرتے ہیں سناتن دھرمی کچھ کرتے ہیں اور یورپین محققین کچھ۔ اور آج دنیا میں کسی شخص کے پاس ان مختلف معانی میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کا کوئی معیار موجود نہیں ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ سنسکرت مردہ ہو چکی ہے۔

فطرت کی شہادت کے بعد ہم اس زندہ کتاب کی بعض نمایاں خصوصیات ہدیہ ناظرین کریں گے۔

نمایاں خصوصیات

۱ ۔ پہلی خصوصیت اس کتاب کی یہ ہے کہ دنیا کی کسی مذہبی یا آسمانی کتاب نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں تحریف سے محفوظ رہوں گی، لیکن قرآن مجید صاف لفظوں میں اعلان فرماتا ہے کہ خدا خود میرا محافظ ہے۔ اور جس کتاب کی حفاظت کا ذمہ دار خدا ہو اس میں تحریف کی مجال کہاں؟

وعدۂ خداوندی نمبر۱ : ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (الحجر : ۹) "تحقیق ہم نے اس ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے محافظ ہیں۔" یعنی یہ کتاب قیامت تک دنیا سے ناپید نہیں ہو سکے گی۔ جس طرح متی کی اصلی عبرانی انجیل ناپید ہو گئی۔

وعدۂ خداوندی نمبر۲ : ﴿لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ﴾ (حٰم السجدۃ : ۴۲) یعنی "جھوٹ اس

کتاب میں کسی طرح داخل نہیں ہو سکے گا نہ آگے سے نہ پیچھے سے کیونکہ اس کو اس ذات نے نازل فرمایا ہے جو نہایت حکمت والی اور ستودہ صفات ہے۔"

الغرض قرآن مجید نے دو دعوے کئے ہیں۔

(۱) میرا متن دستبرد زمانہ سے محفوظ رہے گا۔ ایسا کبھی نہ ہو گا جیسا توریت یا انجیل کے ساتھ ہوا کہ اصلی نسخہ ہی دنیا سے گم ہو گیا۔

(۲) متن میں کسی قسم کی تحریف راہ نہ پا سکے گی۔ (ان دعاوی پر غیر مسلموں کی شہادت اوپر گزر چکی ہے۔)

۲ ۔ دوسری خصوصیت اس زندہ کتاب کی یہ ہے کہ اس کے علاوہ اور کوئی مذہبی کتاب دنیا میں ایسی نہیں جسے اس کے پیروؤں نے حفظ یاد کیا ہو۔ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے آج تک کوئی شخص وید یا بائبل کا حافظ نہیں گزرا۔ لیکن قرآن مجید کے حفاظ ابتدا سے لے کر آج تک ہر قوم' ہر ملک اور ہر زمانہ میں پائے جاتے رہے ہیں۔

اس کا ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ تحریف تو درکنار ایک لفظ کی کمی بیشی بھی قرآن مجید میں نہ ہو سکی۔ دوسرا فائدہ یا اعجاز یہ ہے کہ اگر آج دنیا کی تمام مذہبی کتابیں کسی حادثہ کی بنا پر دریا برد ہو جائیں تو ہندو' یہودی' مجوسی' عیسائی وغیرہم' غرضیکہ دنیا کے تمام اہل مذاہب ہمیشہ کے لئے اپنی اپنی آسمانی کتاب سے محروم ہو جائیں گے' لیکن مسلمان کو کوئی غم نہ ہو گا۔ دنیا کے ہر اس ملک میں جہاں مسلمان آباد ہیں اس کتاب کے حافظ موجود ہیں' وہ فوراً اسے سینہ سے نکال کر سفینہ پر پھیلا دیں گے۔

ڈاکٹر گریسباخ نے جو ایک مشہور جرمن محقق گزرا ہے' انجیل کے قلمی نسخوں کا باہم مقابلہ کر کے دیکھا تو تین لاکھ سے زیادہ لفظی اختلافات شمار کئے۔ ان کے علاوہ جملہ تراجم آپس میں مختلف ہیں۔ لیکن چین سے لے کر مراکو تک قرآن مجید کے کسی نسخہ میں کسی جگہ کوئی اختلاف موجود نہیں ہے۔

۳ ۔ تیسری خصوصیت اس زندہ کتاب کی یہ ہے کہ اس کی تلاوت دنیا کی تمام مذہبی کتابوں سے زیادہ کی جاتی ہے۔ اور اسی خصوصیت کو مدنظر رکھ کر اللہ تعالیٰ نے اس کا

ایک نام "القرآن" بھی رکھا یعنی بار بار تلاوت میں آنے والی کتاب۔ وید' انگہ' دھمپد' استا' تورات' زبور اور صحف انبیاء کا تو اب نام ہی نام باقی رہ گیا ہے کیونکہ یہ کتب مردہ زبانوں میں ہیں اور دنیا ان کی تعلیمات سے بہت آگے بڑھ چکی ہے۔ اس لئے یہ کتابیں تو انسانوں کی زندگی سے کم وبیش خارج ہو چکی ہیں۔ مثلاً ہندوستان میں ایک فی صدی ہندو بھی وید کی تلاوت نہیں کرتا۔ اور لاکھوں ہندو تو ایسے ملیں گے جنہوں نے ساری عمر وید کے درشن بھی نہیں کئے اور لاکھوں گھر ایسے ہیں جہاں وید کا کبھی گزر بھی نہیں ہوا۔ اگر کسی کتاب کو قرآن مجید کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکتا ہے تو وہ انجیل ہے۔ لیکن یہ کتاب بھی صرف آٹھ دن میں ایک مرتبہ گرجوں میں پڑھی جاتی ہے یا کچھ لوگ اپنے گھروں میں پڑھ لیتے ہیں۔ تاہم یہ کتاب بھی تلاوت کے لحاظ سے قرآن مجید کا مقابلہ نہیں کر سکتی کیونکہ قرآن مجید تو ہر روز دن میں کم از کم پانچ مرتبہ نمازوں میں پڑھا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ لکھوکھا مسلمان صبح شام اس کی تلاوت کرتے ہیں۔ مساجد' مقابر' معابد' مدارس غرضیکہ کونسی جگہ ایسی ہے جہاں اس کا چرچا نہیں۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ اس کی تلاوت اسی زبان میں کی جاتی ہے جس میں یہ نازل ہوا تھا۔ انجیل کی طرح نہیں کہ نازل ہوئی آرامی میں اور پڑھی جاتی ہے ترجموں کی صورت میں۔

اس جگہ ایک نفسیاتی نکتہ لائق غور ہے' وہ یہ کہ جب ایک مسلمان قرآن مجید پڑھتا ہے تو وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ میں اللہ کا کلام پڑھ رہا ہوں اور انہی الفاظ کو اپنی زبان سے ادا کر رہا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائے تھے۔ لیکن جب ایک عیسائی انجیل پڑھتا ہے تو وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ میں متی کی لکھی ہوئی اور کسی مجہول الاسم انسان کا ترجمہ کی ہوئی انجیل کا مطالعہ کر رہا ہوں' جس کی صحت پر کوئی دلیل میرے پاس موجود نہیں ہے۔

۴ ۔ چوتھی خصوصیت اس زندہ کتاب کی یہ ہے کہ یہ نہ تو قصہ کہانی کی کتاب ہے اور نہ کسی خاص قوم کی تاریخ ہے' نہ کسی خاص شخص کی سوانح عمری ہے اور نہ محض مجموعہ اقوال وافکار ہے' بلکہ تمام انسانوں کے لئے مکمل ضابطہ حیات ہے۔

(ا) وید میں ایک خاص قوم کا ذکر ہے جو پہلے وسط ایشیا میں رہتی تھی پھر پنجاب میں آکر

آباد ہو گئی' اور کچھ عرصہ کے بعد یہاں کے اصلی باشندوں کو غلام بنا کر ان کی شاداب زمینوں پر قابض ہو گئی۔ وید میں اول سے آخر تک اسی قوم کے حالات' عبادات رسوم' توہمات' خیالات اور عجائبات کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔

(ب) توریت میں بھی ایک خاص قوم کا تذکرہ ہے جو ملک شام میں رہتی تھی' پھر اس کے افراد ملک مصر میں آباد ہو گئے۔ اور ایک نبی نے ان کو غلامی سے آزاد کرایا اور حکومت عطا کی۔

(ج) انجیل ایک خاص شخص کے سوانح حیات پر مشتمل ہے جس کی شخصیت آج تک محل نظر بنی ہوئی ہے۔ کوئی اسے خدا کہتا ہے تو کوئی انسان اور کوئی خدا اور انسان دونوں' اور کوئی اس کے وجود ہی سے انکاری ہے۔

(د) استا میں ایک خاص قوم کا ذکر ہے جو ایران میں رہتی تھی اور پہلے ملوک پرستی کرتی تھی۔ پھر آفتاب پرستی میں مبتلا ہو کر حقیقت سے کوسوں دور ہو گئی۔

(ہ) انگہ' روح اور مادہ کے متعلق ایک دقیق فلسفیانہ مقالہ ہے' جس کو صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو منطق اور فلسفہ پڑھے ہوئے ہوں۔ تاجر' سپاہی' کلرک' دکاندار' پیشہ ور' صناع' آرٹسٹ' کاشت کار اور باغبان' یہ سب لوگ اس کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ یعنی یہ کتاب صرف علماء کے لئے مخصوص ہے۔

(و) دھمپد کا بھی تقریباً یہی حال ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ انگہ میں روح کے وجود کا اقرار ہے یہاں اس کا بھی انکار ہے۔ عوام اس کو بھی سمجھنے سے قاصر ہیں۔

(ر) زبور چند مناجاتوں کا مجموعہ ہے جو صرف زاہدوں اور عابدوں کے کام آسکتی ہیں۔

لیکن قرآن مجید کسی خاص قوم یا قبیلہ یا ملک سے مختص نہیں ہے' بلکہ اس نے بنی نوع آدم کو اپنا مخاطب بنایا ہے۔

اس کا پیش کردہ خدا ----- ربّ العالمین ہے!
اس کا پیش کردہ رسول ----- رحمۃٌ للعالمین ہے!
اور وہ کتاب خود ----- ذکرٌ للعالمین ہے!!

خدا' رسول اور کتاب تینوں میں عالمگیریت کی شان پائی جاتی ہے۔ یہ کتاب تمام دنیا

کے انسانوں کو خواہ وہ ہندو ہوں یا مجوس' یہود ہوں یا نصاریٰ' صابی ہوں یا مشرک اور بت پرست ہوں یا ملحد' سب کو ایک مرکزی نقطہ پر جمع کرتی ہے اور وحدت نسل انسانی کا پیغام دیتی ہے۔ تمام انسانوں کو راہ ہدایت دکھاتی ہے اور انسانیت کے عروج و کمال کو اپنا نصب العین بناتی ہے۔ اس میں بعض اقوام کے حالات بھی بیان کئے گئے ہیں مگر ضمناً' اور مقصد ان سے یہ ہے کہ آئندہ نسلوں کو عبرت دلائی جائے۔ اس کا مقصد داستان گوئی نہیں بلکہ فرد اور جماعت دونوں کی تربیت ہے۔ الغرض قرآن مجید' بقول علامہ اقبالؒ ایک اخلاقی نصب العین بھی پیش کرتا ہے اور ایک مکمل معاشرتی نظام بھی!

۵ ۔ پانچویں خصوصیت اس زندہ کتاب کی یہ ہے کہ وہ جن باتوں پر ایمان لانے کا حکم دیتی ہے انہیں عقلی دلائل سے مبرہن بھی کرتی ہے اور جن باتوں کا دعویٰ کرتی ہے ان کی صداقت پر دلائل بھی پیش کرتی ہے۔ آپ پورے وید کو پڑھ جایئے۔ خدا کی ہستی پر یا اس کی توحید پر' الہام کی ضرورت پر' ابطال شرک پر غرضیکہ کسی عقیدہ پر کوئی عقلی دلیل نظر نہ آئے گی۔ اور یہی حال انجیل کا ہے۔ نہ توحید پر کوئی عقلی دلیل دی گئی ہے نہ تثلیث پر' نہ تجسمہ والوہیت مسیح پر اور نہ کفارہ پر۔

صرف یہی نہیں کہ وید اور بائبل میں خدا کی ہستی یا اس کی توحید پر کوئی دلیل نہیں' بلکہ ان کتابوں سے تو اس کی توحید بھی ثابت نہیں ہو سکتی۔ مثلاً وید میں اگر ایک جگہ یہ لکھا ہے کہ "خدا ایک ہے" تو دوسری جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ "ہم ۱۱x۳ = ۳۳ خداؤں پر ایمان لاتے ہیں"۔ انجیل میں اگر ایک جگہ یہ لکھا ہے کہ خدا ایک ہے تو دس جگہ یسوع مسیح کو خدا قرار دیا گیا ہے۔ غرضیکہ توحید کے ساتھ ساتھ شرک بھی موجود ہے۔

بودھ دھرم اور جین دھرم میں تو خدا کا ذکر سرے سے ندارد ہے۔ دھمپد میں صاف لکھا ہے کہ "اے انسان تو کیوں کسی دوست کی تلاش میں ہے۔ اس کائنات میں تیرے سوا کوئی تیرا دوست نہیں ہے"۔ لیکن قرآن مجید ذکر اور فکر دونوں کا جامع ہے۔ وہ الہام ربانی کو عقل انسانی کی روشنی میں ثابت کرتا ہے۔ وہ خدا پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہے تو اس کی ہستی پر متعدد دلائل بھی پیش کرتا ہے۔ مثلاً :

﴿ كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾ (البقرہ : ۲۸)

یعنی "(اے لوگو!) تم خدا کا کس طرح انکار کر سکتے ہو، تم نیست تھے۔ اس نے تمہیں ہست کیا پھر تمہیں مارے گا پھر زندہ کرے گا اور پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے"

اگر قرآن مجید توحید الٰہی کا عقیدہ پیش کرتا ہے تو اس پر بھی دلیل لاتا ہے۔ غور کیجئے کیسی مختصر مگر تسلی بخش دلیل ہے :

﴿ لَوْ كَانَ فِيْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ﴾ (الانبیاء : ۲۲)

یعنی "اگر زمین و آسمان میں اللہ کے علاوہ دوسرے خدا بھی ہوتے تو کائنات میں فساد برپا ہو جاتا۔"

اسی طرح اگر قرآن مجید کسی بات کا حکم دیتا ہے تو اس کے فوائد سے بھی آگاہ کرتا ہے۔ مثلاً روزہ رکھنے کا حکم دیتا ہے تو ساتھ ہی یہ بھی بتا دیتا ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو جائے۔

۶ ۔ چھٹی خصوصیت اس پیغام کی یہ ہے کہ یہ کتاب تشریح مطالب میں کسی انسان کی محتاج ہے اور نہ کسی دوسری کتاب کی۔ نیز ہر بات کو نہایت سادہ اور دلنشیں انداز میں پیش کرتی ہے، جسے عالم بھی سمجھ سکتا ہے اور بچہ بھی۔ علاوہ بریں زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی کر سکتی ہے۔ دھمپد اور انگہ اور اپنشد کی تعلیمات اس قدر پیچیدہ ہیں کہ جب تک کسی فلسفی سے مدد نہ لی جائے ان کے مسائل عام آدمیوں کو سمجھ میں نہیں آسکتے۔

علاوہ بریں قرآن مجید جن باتوں کو نجات کے لئے ضروری قرار دیتا ہے ان کی تفصیل اور تشریح خود کرتا ہے۔ وہ کسی دوسرے کا محتاج نہیں لیکن ان کتابوں کا حال یہ ہے کہ مدعی ست ہے اور گواہ چست ہے۔ مثلاً ایک ہندو یہ کہتا ہے کہ ہمارے مذہب کی تعلیم یہ ہے کہ روح اور مادہ بھی ایشور کی طرح قدیم ہیں، اور مرنے کے بعد انسان کی روح مختلف قالبوں میں جاتی ہے اور گائے کی عزت کرنی ضروری ہے۔ لیکن رگوید میں نہ قدامت روح کا کہیں تذکرہ ملتا ہے نہ آواگون کی تفصیل ہے اور نہ گائے کی عزت کا حکم موجود ہے۔ اسی طرح ایک عیسائی کہتا ہے کہ ہمارے مذہب کی یہ تعلیم ہے کہ باپ، بیٹا اور روحِ

قدس تینوں جدا جدا ہیں' تینوں خدا ہیں اور تینوں مل کر ایک ہیں اور بیٹا باپ سے مولود ہے اور روح قدس دونوں سے مصدور ہے لیکن یہ تعلیم انجیل میں کہیں نہیں ملتی۔ یعنی ہندو اور عیسائی اپنے اپنے مذہبی اصولوں کو اپنی کتابوں سے ثابت نہیں کر سکتے۔

لیکن قرآن مجید جن باتوں پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہے ان سب کی تفصیل خود بیان کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ ایک مسلمان جن امور کو مدار مذاہب قرار دیتا ہے وہ ان سب کو قرآن مجید سے نکال کر دکھا سکتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن مجید بذات خود کافی کتاب ہے' کسی کی محتاج نہیں ہے۔ اسی لئے حضرت عمرؓ کا قول ہے "عندنا كتابُ اللّٰهِ فهو حَسْبُنا" ہمارے پاس اللہ کی کتاب اور وہ ہمارے لئے کافی ہے۔

۷۔ قرآن مجید کی ساتویں خصوصیت یہ ہے کہ اس کے علاوہ اور کوئی مذہبی کتاب فرد اور جماعت دونوں کی زندگی پر پورے طور سے حاوی نہیں ہے۔ صرف یہی کتاب ایسی ہے جو انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں نیز اس کے تمام شعبوں میں یکساں طور پر رہنمائی کر سکتی ہے۔

وید' بائبل' استا' دھمپد اور رانگہ وغیرہ کا مطالعہ کر جائیے۔ ان میں چند دعاؤں' چند رسوم' چند حکایات' چند روایات' چند مواعیظ اور چند معجزات کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ لیکن قرآن مجید کے اندر مذہب کے علاوہ مکمل نظام معاشرت اور ضابطہ سیاست' اصول اخلاق' طریق ذکر اور قوانین اقتصاد اور آئین تمدن غرضیکہ زندگی کا پورا دستور العمل موجود ہے۔ اور اس کی تعلیمات میں اس قدر ہمہ گیریت اور جامعیت ہے کہ بادشاہ' سپہ سالار' سپاہی' مدبر' فلسفی' تاجر' زاہد و عابد' دنیادار' مجرد' متاہل' والدین' ہمسایہ' زن و فرزند' افسر' ماتحت' آزاد' اسیر' عورت' مرد' مجسٹریٹ' جج' مفتی' مقنن' منصف' وکیل' شہری' دیہاتی غرضیکہ ہر طبقہ اور ہر درجہ کا انسان اس کتاب سے روشنی اور ہدایت حاصل کر سکتا ہے۔ اور طرفہ یہ ہے کہ یہ کتاب دین اور سیاست' دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی کی ضامن ہے کہ دونوں میں ہم آہنگی پیدا کرتی ہے۔

وید میں گھوڑے کی قربانی کا طریقہ تو بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے' لیکن یہ بات جو انسان کے لئے گھوڑوں کی قربانی سے بہت زیادہ ضروری ہے کہیں نہیں مل سکتی ہے کہ باپ کے مرنے کے بعد بیٹی کو اس کی جائیداد میں سے حصہ ملے یا نہ؟ اور ملے تو کتنا؟

انجیل میں جناب یسوع کے معجزات تو بہت سے بیان کر دیئے گئے ہیں' لیکن یہ بات جو معجزوں سے کہیں زیادہ اہم ہے کسی جگہ مذکور نہیں کہ اگر کسی عورت کا خاوند حقوق و وظائف زوجیت ادا نہ کر سکے یا ان باتوں کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو وہ بے چاری اس مصیبت سے نجات حاصل کر سکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر کر سکتی ہے تو اس کی شرعی صورت کیا ہے؟۔

اصلی بات یہ ہے کہ ان کتابوں کے لکھنے والوں کی مذہب کے اس مفہوم تک رسائی ہی نہیں ہوئی جو قرآن مجید نے پیش کیا ہے۔ قرآن مجید کی نظر میں مذہب چند عقائد اور رسوم کے مجموعہ کا نام نہیں بلکہ وہ ایک مکمل دستور العمل ہے' جو حیات انسانی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے۔

۸ ۔ آٹھویں خصوصیت اس لاثانی کتاب کی یہ ہے کہ اس میں شروع سے اخیر تک کوئی بات تہذیب اور حیا کے معیار سے فروتر نہیں ہے' اور ہر شخص اس کتاب کو عورتوں کے مجمع میں بھی پڑھ کر سنا سکتا ہے۔ لیکن ویدوں میں اس بات کو بالکل مد نظر نہیں رکھا گیا ہے۔ اگر میں بعض منتر نقل کر دوں تو ناظرین محو حیرت بن جائیں گے کہ یہ الہامی کتاب ہے یا .....؟

میں مثال کے طور پر صرف وید منتروں کے حوالے لکھے دیتا ہوں اور اگر آپ چاہیں تو کسی آریہ سماجی بھائی سے دریافت کر لیں کہ کیا تم اس وید منتر کا اردو ترجمہ اپنی ماں بہن یا بیٹی کو سنا سکتے ہو جو نکاح کے وقت پڑھا جاتا ہے۔ وہ منتر یہ ہیں : اتھروید کانڈ ۱۴' سوکت ۲' منتر نمبر ۳۸۔ نیز رگوید کا یم یمی سوکت جس میں یہ اپنے بھائی یم سے ..... کی خواہش کرتی ہے۔ نیز رگوید منڈل ۱۰' سوکت ۱۱۰' منتر نمبر ۵' نیز رگوید منڈل ۵' سوکت نمبر ۴۶' منتر نمبر ۷۔۸۔ نیز رگوید منڈل ۳' سوکت ۳۱ منتر پہلا' نیز رگوید منڈل ۱۰' سوکت ۱۱' منتر

نمبر۶۔

بائبل میں یہ بات تو نہیں ہے لیکن پھر بھی کئی مقامات اس قدر تہذیب سے گرے ہوئے ہیں کہ شرم وحیا انہیں دیکھ کر اپنی آنکھیں ضرور بند کر لے گی۔ مثال کے طور پر لوطؑ کا شراب کے نشہ میں اپنی سگی بیٹیوں سے زنا کرنا' یا داؤد کا اوریا کی جورل سے زنا کرنا۔ واضح ہو کہ لوطؑ اور داؤدؑ دونوں کو خدا کا نبی بھی بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ سلیمانؑ کی غزلوں کی طرز نگارش بعض مقامات میں اس قدر عریاں اور دائرۂ تہذیب سے خارج ہے کہ کوئی شریف آدمی ان غزلوں کو اپنی عورتوں کو نہیں سنا سکتا۔

۹ ۔ نویں خصوصیت اس کتاب کی یہ ہے کہ اس کی تعلیمات سراسر فطرت انسانی کے مطابق ہیں۔

رگ وید میں ۳۳ دیوتاؤں پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ دھمپد اور انگہ خدا کے متعلق بالکل خاموش ہیں۔ استامیں یزدان اور اہرمن دو خداؤں کا عقیدہ پیش کیا گیا ہے اور انجیل تین خداؤں کی تعلیم دیتی ہے' حالانکہ فطرت انسانی کا تقاضا یہ ہے کہ کائنات کا حاکم صرف ایک ہونا چاہئے۔ رگوید اور انجیل دونوں میں طلاق یا خلع کی اجازت نہیں دی گئی' حالانکہ انسانی فطرت اس بات کی مقتضی ہے کہ اگر میاں بیوی میں اتحاد ناممکن ہو جائے تو انہیں علیحدہ کر دیا جائے۔ انجیل نے کفارہ کی تعلیم دی ہے اور یہ بات بھی فطرت کے خلاف ہے کہ درد زید کے سر میں ہو اور دوا بکر کے سر میں لگا دی جائے' یا جرم تو زید کرے اور سزا بکر کو ملے۔ غرض قرآن مجید کے علاوہ دنیا کی کسی اور کتاب نے اپنی تعلیمات کو فطرت انسانی پر مبنی نہیں کیا اور نہ اس کا دعویٰ ہی کیا ہے۔

۱۰ ۔ دسویں خصوصیت اس لاثانی کتاب کی یہ ہے کہ اس نے رہبانیت یعنی ترکِ دنیا کے عقیدہ کو تاریخ مذاہب میں پہلی مرتبہ باطل کیا ہے۔ اپنشد جن کو ویدوں کی تعلیم کا اَنت (آخر) کہا جاتا ہے اور اسی لئے اس کی تعلیم کو ویدانت کا نام دیا گیا ہے' اور دھمپد' انگہ اور انجیل یہ سب کتابیں ترک دنیا کا سبق دیتی ہیں اور نجات کو اس بات پر منحصر کرتی ہیں کہ انسان رہبانیت اختیار کرے۔ لیکن قرآن مجید اس خلاف فطرت اور قاطع تمدن

طریق کی سخت مخالفت کرتا ہے اور آخرت کے ساتھ ساتھ دنیاوی زندگی کا دروازہ بھی کھولتا ہے۔ دیگر مذاہب خواہشات اور تمناؤں کو فنا کرنے کی تعلیم دیتے ہیں لیکن اسلام ان پر غالب آنے کی تلقین کرتا ہے۔ اسی لئے آنحضرت فرماتے ہیں : "لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَام" کہ "اسلام میں رہبانیت نہیں ہے"۔

۱۱ ۔ گیارہویں خصوصیت اس زندہ کتاب کی یہ ہے کہ اس نے مخلوق کو براہ راست خالق سے ملا دیا ہے۔ کیونکہ خدا نے اس کائنات کو بذات خود خلعت وجود عنایت کیا ہے۔

ہندو دھرم کی تعلیم یہ ہے کہ ایشور نے برہما کے واسطہ یا وسیلہ سے دنیا پیدا کی۔ مجوسیت یہ بتاتی ہے کہ خدا نے بعض ملائکہ کے وسیلہ سے کائنات کو پیدا کیا۔ یہودیت یہ سکھاتی ہے کہ خدا نے یہ دنیا ممرا کے وسیلہ سے پیدا کی۔ عیسائیت کی تلقین یہ ہے کہ خدا نے اس دنیا کو لاگاس کے وسیلہ سے پیدا کیا۔ لیکن قرآن مجید فرماتا ہے کہ خدا نے بلاواسطہ اس کائنات کو خلق کیا ہے : "اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ" اور اس طرح اس نے ہمیشہ کے لئے شرک کا سدباب کردیا ہے۔ دیگر مذاہب میں ان وسائل کو الوہیت کا درجہ دے دیا گیا اور انسان شرک میں مبتلا ہو گیا۔ قرآن مجید فرماتا ہے کہ ہر شخص براہ راست خدا تک پہنچ سکتا ہے :

﴿ "اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ......﴾ (البقرہ : ۱۸۶)

"میں ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارے۔"

۱۲۔ بارہویں خصوصیت اس زندہ پیغام کی یہ ہے کہ دنیا کی کسی مذہبی کتاب نے ملوکیت اور ملوک پرستی کی تردید نہیں کی۔ لیکن قرآن مجید ملوکیت کو دنیا میں فتنہ و فساد کا موجب سمجھتا ہے اور اس کی جگہ شوریٰ یعنی باہمی صلاح و مشورہ کو حکمرانی کا اصول قرار دیتا ہے۔ اسی کی تعلیم کا یہ نتیجہ ہے کہ دنیا آج جمہوریت کے نام سے آشنا ہے اور ملوک پرستی کا خاتمہ ہوتا جاتا ہے۔

۱۳ ۔ تیرہویں خصوصیت اس زندۂ جاوید کتاب کی یہ ہے کہ اس نے تاریخِ عالم

میں پہلی مرتبہ سرمایہ داری کے خلاف جہاد کیا ہے اور سرمایہ داروں کی مذمت کی ہے۔ اسی لئے علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

ہیچ خیر از مردکِ زرکش مجو
لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوا

اور ایسے قوانین بنائے ہیں کہ اگر ان پر عمل کیا جائے تو دنیا اس لعنت سے پاک ہو سکتی ہے۔ سود کی ممانعت، قانون وراثت، زکوٰۃ صدقات وغیرہ یہ سب باتیں اسی لئے ہیں کہ دولت چند افراد کے ہاتھوں میں جمع نہ ہو سکے۔

۱۴ ۔ چودھویں خصوصیت اس زندہ کتاب کی یہ ہے کہ اس نے ان تمام جنگوں کو حرام قرار دیا ہے جن کا مقصود استعمار پرستی یا جوع الارض ہو۔ اسلام صرف خدا کی راہ میں جہاد کی اجازت دیتا ہے۔ چنانچہ علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

ہر کہ خنجر بہرِ غیر اللہ کشید
تیغِ او در سینۂ او آرمید

ایک مسلمان صرف اسی صورت میں تلوار اٹھا سکتا ہے جب اس کی جان یا اس کا ایمان خطرہ میں ہو۔ ؎

تیغ بہر عزتِ دین است و بس
مقصدِ او حفظِ آئین است و بس

محض اپنے نفس کی خوشنودی یا برتری کے لئے دوسری اقوام کو غلام بنانا یا بے گناہوں کا خون بہانا اسلام کی تعلیمات کے بالکل خلاف ہے۔

۱۵ ۔ پندرھویں خصوصیت اس کتاب لاجواب کی یہ ہے اس نے دنیا کی تاریخ میں سب سے پہلی مرتبہ عورتوں کے حقوق کی حمایت کی اور ان کو معاشرتی، علمی اور روحانی اعتبار سے مردوں کے برابر درجہ دیا۔ یہ بات بھی دنیا کی کسی اور مذہبی کتاب میں نظر نہیں آتی۔

منوسمرتی میں عورت کی فطرت کے متعلق یہ رائے ظاہر کی گئی ہے کہ "جھوٹ بولنا

عورتوں کا ذاتی خاصہ ہے"۔ وید نے اس کے حقوق کی حمایت تو کجا صراحت بھی نہیں کی اور اس لئے اس مذہب کے علماء نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ "خاوند کی اطاعت ہی عورت کا سب سے بڑا دھرم ہے"۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ عورت بے چاری صرف مردوں کی خدمت اور "چوکا باسن" کرنے کے لئے پیدا ہوئی ہے۔

جین دھرم نے بھی عورت کو روحانیت کے لحاظ سے بہت پست درجہ دیا ہے۔ یعنی مرد تو سورگ کی ۲۴ سیڑھیاں طے کر سکتے ہیں' لیکن عورت سولھویں سیڑھی سے اوپر نہیں جا سکتی۔

بودھ دھرم نے تو عورت کو روحانی ترقی میں زبردست رکاوٹ قرار دیا ہے۔ اسی لئے مہاتما گوتم بدھ اپنی پیاری بیوی کو سوتا چھوڑ کر نجات کی تلاش میں نکلے اور ساری عمر اس سے کوئی تعلق نہ رکھا۔

عیسائی مذہب نے بھی اس کے حقوق کی نہ حمایت کی اور نہ صراحت کی۔ اور بانی مذہب عیسوی کا طرز عمل بھی عورتوں کی تحقیر کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ چنانچہ پولوس نے تجرد کو بہترین طرز حیات قرار دیا ہے۔ غرض دنیا کے کسی مذہب نے یا مذہبی کتاب نے اس مظلوم طبقہ کی طرف توجہ نہیں کی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ :

(ا) دنیا والوں نے نجات کو رہبانیت پر منحصر کیا۔
(ب) اور رہبانیت کے لئے تجرد ضروری ہے۔
(ج) اور تجرد کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ عورت کا وجود مہمل اور بے کار ہے۔

اس کے برعکس قرآن مجید نے اس معصوم اور بے گناہ طبقہ کی دادرسی کی اور اس شان کے ساتھ کی کہ اس سے بڑھ کر فہم انسانی میں نہیں آ سکتی۔ اس نے عورت اور مرد کو تمام مذہبی' علمی' مجلسی' تمدنی اور روحانی امور میں مساوات عطا کی ہے۔ عورت جائداد سے حصہ پا سکتی ہے۔ وہ خود تجارت بیع و شریٰ اور داد و ستد کر سکتی ہے' معاہدات کر سکتی ہے' علم حاصل کر سکتی ہے۔ جس طرح مرد کو طلاق کا حق ہے عورت کو خلع کا حق حاصل ہے اور اس کی مرضی کے بغیر کوئی شخص اسے اپنے نکاح میں نہیں لا سکتا۔

۱۶ ۔ سولہویں خصوصیت اس زندہ کتاب کی یہ ہے کہ اس نے پہلی مرتبہ قانون وراثت مکمل طور پر انسانوں کو عطا کیا۔ وید' پران' بھگوت' گیتا' توریت' زبور' انجیل' دھمپد' انگہ اور استا کسی کتاب نے تمدن کے اس اہم مسئلہ کی طرف توجہ نہیں کی کہ اگر کوئی شخص مرجائے تو اس کی وفات کے بعد کون کون افراد اس کی جائداد سے حصہ پا سکتے ہیں اور کس قدر؟

واضح ہو کہ اس قانون کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ وہ بالواسطہ سرمایہ داری کے خلاف ایک زبردست حربہ ہے۔

۱۷ ۔ سترہویں خصوصیت اس لاثانی کتاب کی یہ ہے کہ اس نے مذہبی ارکان کی بجاآوری کے ساتھ ساتھ اس حقیقت سے بھی آگاہ کر دیا ہے کہ اصلی چیز رسوم نہیں ہیں بلکہ تقویٰ ہے۔ یعنی رسوم کا ادا کرنا بذات خود کوئی قیمتی چیز نہیں جب تک انسان کے قلب میں وہ تبدیلی پیدا نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ قرآن کہتا ہے :

﴿ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ﴾

یعنی "(اے لوگو! اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ) خدا کے پاس تمہاری قربانیوں کا گوشت پہنچتا ہے نہ خون' بلکہ صرف تمہارا تقویٰ ہی وہ چیز ہے جو اس کی نظر میں مقبول ہو سکتا ہے۔"

قرآن مجید کے علاوہ دنیا کی کسی مذہبی کتاب نے اس حقیقت کو اس طرح واشگاف نہیں کیا۔

۱۸ ۔ اٹھارہویں خصوصیت اس کتاب لاجواب کی یہ ہے کہ اس نے ہر انسان کو اپنے اعمال کا خود ذمہ دار قرار دیا ہے۔ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ فرمایا : "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى۔" اس آیت سے دو نتیجے مرتب ہوئے' ایک تو یہ کہ کفارہ کے غلط عقیدہ کی تردید ہو گئی اور اس کے بجائے انسان میں اعتماد علی النفس کی صفت پیدا ہو گئی۔ دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام میں پادریوں اور پنڈتوں اور پروہتوں کی طرح کسی مخصوص مذہبی طبقہ کی گنجائش نہیں ہے۔

جب تک پروہت نہ ہو ایک ہندو اپنی عبادت انجام نہیں دے سکتا اور نہ مندر میں جا کر پوجا کر سکتا ہے' اور نہ اس کا نکاح پڑھا جا سکتا ہے نہ کوئی اور سنسکار ادا کیا جا سکتا ہے۔ از ولادت تادم وفات ایک ہندو' پنڈت اور پروہت کا محتاج ہے۔ اگر وہ نہ ہو تو ہندو اپنی کوئی مذہبی رسم ادا نہیں کر سکتا۔ یہی حال دیگر اہل مذاہب کا ہے۔ پادری نہ ہو تو ایک عیسائی نہ عبادت کر سکتا ہے نہ اس کا نکاح پڑھا جا سکتا ہے' نہ "عشاء ربانی" میں ڈبل روٹی اور شراب سے بہرہ اندوز ہو سکتا ہے۔ الغرض۔

ایک ہندو پنڈت یا پروہت کا محتاج ہے۔
ایک عیسائی پادری یا راہب کا محتاج ہے۔
ایک مجوسی موبد یا پیر مغاں کا محتاج ہے۔
ایک جینی گوشائیں یا پنڈت کا محتاج ہے۔
ایک بودھی بھکشو یا پروہت کا محتاج ہے۔
ایک یہودی احبار یا ربی کا محتاج ہے۔

لیکن قربان جایئے قرآن مجید کہ ایک مسلمان دنیا کے کسی پنڈت' پادری' گوشائیں' موبد یا بھکشو کا محتاج نہیں ہے۔ وہ جملہ مذہبی رسوم خود بجا لا سکتا ہے۔ گویا قرآن نے ہر قسم کی شخصیت پرستی کا خاتمہ کر دیا الحمد للہ۔

۱۹ ۔ انیسویں خصوصیت اس مقدس پیغام کی یہ ہے کہ اس نے نسل' قوم' ذات' قبیلہ' زبان' رنگ' ملک اور وطن' جملہ عارضی اور فرضی امتیازات پستی و بلندی کو مٹا دیا اور ان کی جگہ حقیقی معیار پیش کیا۔ اور میں بالیقین کہہ سکتا ہوں کہ قرآن کے علاوہ دنیا کی کسی کتاب نے شرافت کا یہ معیار پیش نہیں کیا۔ اس کی وجہ سے نسل پرستی' نسب پرستی' وطن پرستی اور قوم پرستی سب کا خاتمہ ہو گیا۔ وہ معیار یہ ہے :

﴿ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ... ﴾ (الحجرات : ۱۳)

یعنی "(اے لوگو!) خدا کے نزدیک تم میں سے زیادہ محبوب وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔"

خدا کی نظر میں وہ شخص مکرم اور معزز نہیں جو برہمن ہو یا سید ہو یا سفید رنگ ہو یا بھارت نواسی ہو یا انگریزی بولتا ہو، بلکہ وہ ہے جو زیادہ متقی ہو۔ گویا اسلام میں شرافت کا معیار تقویٰ ہے نہ کہ رنگ یا ذات۔

۲۰۔ بیسویں خصوصیت اس کلام پاک کی یہ ہے اس نے قوم کی بنیاد وطن پر یا کسی ملک پر نہیں رکھی بلکہ مذہب پر رکھی۔ اور یہ وہ عجیب و غریب تعلیم ہے جو قرآن مجید کے علاوہ اور کسی مذہبی کتاب میں نظر نہیں آتی۔ قرآن مجید نے بنی نوع آدم کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، مومن اور منکر۔ تمام مومن خواہ وہ مراکو میں رہتے ہوں یا جاپان میں، یورپ میں ہوں یا ہندوستان میں، سب ایک قوم ہیں۔ "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ" (الحجرات : ۱۰)

بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی

قرآن مجید نے ایسی عالمگیر برادری کا تخیل پیش کیا جو جغرافیائی حدود سے بہت بالاتر ہے۔ ساری دنیا مسلمان کا وطن ہے۔ سارے مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔

۲۱۔ اکیسویں خصوصیت اس بے نظیر کتاب کی یہ ہے کہ اس نے دنیا کی تاریخ میں سب سے پہلے انسان کو استقرائی منطق یا طریق سے روشناس کیا اور اس طرح دنیا میں تحقیق اور تدقیق، ایجادات اور اکتشافاتِ علمیہ کا دروازہ کھول دیا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ غور و فکر اور استدلال کے طریقے دو ہیں : اولاً استخراجی یعنی (Deductive)، ثانیاً استقرائی یعنی (Inductive)۔ استخراجی طریقہ یہ ہے کہ جو اصول دنیا میں مروج ہوں یا لوگوں کے نزدیک مسلم ہوں ان کو مدنظر رکھ کر ان کی روشنی میں جزئیات مرتب کئے جائیں، مثلاً دنیا میں یہ اصول مروج اور مسلم ہے کہ "انسان فانی ہے" جب میں نے ہوش سنبھالا تو میں نے دیکھا کہ دنیا اس اصول کو تسلیم کرتی ہے۔ میں نے خود کوئی غور و فکر نہیں کیا بلکہ دنیا سے اس اصول کو اخذ کر لیا اور اب اس پر اپنے آئندہ غور و فکر یا استدلال کی بنیاد رکھ دی۔ یعنی اگر مجھے یہ معلوم کرنے کی ضرورت

ہوئی کہ "زید کیا ہے" ۔ تو میں نے اس طرح استدلال کیا : "زید ایک انسان ہے" اور "انسان فانی ہے" لہٰذا "زید فانی ہے" اسی کا نام طریق استخراجی ہے اور اسلام سے پہلے یہی طریق دنیا میں مروج تھا۔ اس نے اپنی منطق اسی اصول پر مرتب کی تھی۔

لیکن قرآن مجید نے ایک نیا دور قائم کیا (بلکہ میرا عقیدہ، جو غور و فکر کے بعد قائم کیا گیا ہے، تو یہ ہے کہ قرآن مجید نے نئی دنیا پیدا کر دی) نئی زمین بنائی، نیا آسمان بنایا بلکہ نیا آدم بنایا۔ یعنی انسان کو زمین و آسمان کے مظاہر میں غور و فکر کی دعوت دی! نئی دعوت! نیا پیغام! انسان جن مظاہر فطرت اور عناصر قدرت کو اپنا معبود سمجھتا تھا وہ اب اس کی فکر کا موضوع بن گئے! کیسا انقلاب! کتنا عظیم الشان! کتنا عجیب! قرآن نے حکم دیا کہ دریاؤں کی روانی پر غور کرو، ہواؤں کے چلنے پر غور کرو، بارش اور بادل پر غور کرو، اونٹ کی خلقت پر غور کرو، انسان کی بناوٹ پر غور کرو، حرکات ارضی و سماوی پر غور کرو، شمس و قمر کے نظام پر غور کرو، جہازوں کے چلنے پر غور کرو، چاند کے گھٹنے بڑھنے پر غور کرو، غرضیکہ تمام کائنات کو غور و فکر کا موضوع بناؤ۔ تحقیق کرو، تلاش کرو، چھانو، پھٹکو، جانچو، تولو، غور کرو، فکر کرو، تدبر کرو، سمجھو اور سوچو! جب انسان نے گرد و پیش کے حالات پر غور کرنا شروع کیا تو اس نے دیکھا کہ آج زید وفات پا گیا، کل ہوئی تو دیکھا کہ بکر وفات پا گیا، بعد ازیں خالد فوت ہوا، ازاں بعد عمرو اسی راہ پر چلا گیا، غرضیکہ اس نے کئی سال تک مشاہدہ کیا کہ کوئی فرد موت سے مستثنیٰ نہیں۔ پس اس کا ذہن اس اصول یا حقیقت کی طرف راغب ہوا کہ "انسان فانی ہے"۔ یہ طریق فکر جسے سب سے پہلے قرآن نے مبرہن کیا، جس کی طرف سب سے پہلے قرآن نے بلایا استقرائی طریق کہلاتا ہے۔ اور میں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ قرآن کے علاوہ اور کسی مذہبی کتاب نے انسان کو اس طریق کی طرف متوجہ نہیں کیا اور دنیا میں جس قدر ترقی آج نظر آتی ہے سب اسی طریق فکر کا نتیجہ ہے۔

۲۲۔ بائیسویں خصوصیت اس عدیم المثال کتاب کی یہ ہے کہ یہ کتاب خود اپنا تعارف کراتی ہے اور اپنی پوزیشن اپنی ابتدائی آیات ہی میں اس طرح واضح کر دیتی ہے کہ طالب حق کو سب کچھ معلوم ہو جاتا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے۔

(ا) وید کا آغاز اس طرح ہوتا ہے :

"اگنی میلے پروہتم یجناسیادیوارتی وجم ہوتارم رتناوہاتام"۔

میں اگنی کی پرستش کرتا ہوں جو خانگی پروہت ہے اور قربانی کا ایزدی کارکن ہے اور اسے دیوتاؤں کے سامنے پیش کرتا ہے اور وہ ہمیں دولت عطا کرتا ہے اور خود دولت کا مالک ہے۔

اب کچھ پتہ نہیں چلتا کہ (۱) میں کون ہے (۲) یہ اگنی کون ہے (۳) خانگی پروہت کیا ہوتا ہے (۴) قربانی کس کی اور کیوں؟ (۵) دیوتا کون ہے اور کہاں؟ وغیرہ وغیرہ۔ علاوہ بریں سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ رگوید کیا چیز ہے؟ کیوں نازل ہوا۔؟ اس کا مقصد نزول کیا ہے؟ کن لوگوں کے لئے ہے؟ لیکن ان افتتاحیہ جملوں سے کسی سوال کا جواب نہیں مل سکتا۔

(ب) استا کا آغاز اس طرح ہوتا ہے :

(ترجمہ) "میں نے سب سے پہلے ایران کا ملک بنایا تو میری مخالفت میں انگرامینو (اہرمن) نے دریاؤں میں سانپ پیدا کئے اور موسم سرما پیدا کیا جو شیطانی کام ہے"۔

ان فقروں سے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ یہ کتاب کیوں نازل ہوئی؟ اس کا مقصد کیا ہے؟ اس کے اندر کیا ہے؟ اور کن لوگوں کے لئے ہے؟ کب تک اس کا اثر رہے گا؟ وغیرہ وغیرہ اور جو بات معلوم ہوئی ہے وہ جغرافیائی طور پر بالکل غلط ہے۔ سب سے پہلے نہ ایران کا ملک پیدا ہوا نہ ہندوستان کا' بلکہ سب سے پہلے زمین بنائی گئی اور جب بن گئی تو سب سے پہلے وادی عراق اور وادی نیل میں آبادی ہوئی۔ دوسری بات عقلاً غلط ہے۔ موسم سرما شیطانی فعل ہرگز نہیں ہے بلکہ اتنا ہی ضروری ہے جتنا موسم گرما۔ علاوہ بریں یہ محض دعویٰ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں دی گئی۔

(ج) توریت کا آغاز اس طرح ہوتا ہے :

"ابتدا میں خدا نے زمین و آسمان کو پیدا کیا"۔

سوال یہ ہے کہ یہ مذہبی کتاب ہے یا جغرافیہ؟ مذہبی کتاب کا پہلا فرض تو یہ ہے کہ وہ یہ بتائے میں کون ہوں؟ کیا ہوں؟ میرے اندر کیا صفت ہے' نہ کہ جغرافیہ پڑھائے۔ اور

طرفہ تماشا یہ ہے کہ یہ الہامی جغرافیہ بھی اب کسی عقلمند کی نظر میں قابل قبول نہیں۔ یورپ کے تمام علماء اس امر پر متفق ہیں کہ توریت کی پہلی کتاب یعنی "کتاب پیدائش" علم طبقات الارض کے اعتبار سے بالکل ناقابل اعتماد ہے۔ بقول تحقیقات جدیدہ' سب سے پہلے زمین و آسمان پیدا نہیں ہوئے بلکہ ایتھر (Ether) پیدا ہوا' اس کے بعد نیبولا (Nebula)۔

(د) انجیل یوں شروع ہوتی ہے :

"خداوند یسوع مسیح ابن داؤد کا نسب نامہ"۔

اب کوئی پوچھے کہ یہ الہامی کتاب ہے یا کسی شخص کا شجرہ نسب؟۔

(ہ) زبور کا آغاز اس طرح ہوتا ہے :

"مبارک ہے وہ انسان جو بدکاروں کی صلاح پر نہیں چلتا۔"

یہ بات تو ٹھیک ہے مگر سوال یہ ہے کہ یہ کتاب کیا ہے؟ پڑھنے والے کو یہ بالکل نہیں معلوم ہو سکتا۔ الغرض ان سب کتابوں کے لئے ایک معرف کی ضرورت ہے جو ان کا تعارف دنیا سے کرائے' لیکن قرآن خود اپنا معرف ہے۔ ملاحظہ ہو۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ' هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ' وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ۝ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝

ملاحظہ فرمایئے! منطقی طور پر اور منطقی ترتیب سے جس قدر سوالات ایک طالب حق کے دماغ میں پیدا ہو سکتے ہیں سب کا جواب موجود ہے۔

(ا) یہ کیا ہے؟ "ذٰلِكَ الْكِتَابُ" یہ ایک خاص کتاب ہے۔

(ب) اس کے مضامین کیسے ہیں؟ "لَا رَيْبَ فِيْهِ" یعنی اس کے مضامین کی سچائی میں کوئی شک نہیں ہے۔

(ج) اس کتاب کا منصب کیا ہے؟ مقصد کیا ہے؟ "هُدًى" یہ ہدایت ہے، راہنما ہے۔
(د) کس کے لئے؟ "لِلْمُتَّقِيْنَ" ان انسانوں کے لئے جو متقی ہیں۔
(ہ) متقی کون ہوتا ہے؟ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ..... تا يُوْقِنُوْنَ۔
(و) ہدایت پر عمل کرنے سے فائدہ کیا ہو گا؟ وہ لوگ جو اس پر عمل کریں گے فلاح پا جائیں گے!

دیکھ لیجئے قرآن نے اپنی ماہیت نوعیت، کیفیت، مقصد، غرض وغایت اور مذہبی زندگی کا نقشہ اور اپنا پیش کردہ نصب العین سب کچھ ابتداء ہی میں نہایت بلاغت کے ساتھ بیان کر دیا ہے دنیا کی اور کوئی کتاب اپنا تعارف اس صفائی کے ساتھ نہیں کراتی۔

۲۳۔ تئیسویں خصوصیت اس زندہ کتاب کی یہ ہے کہ اس نے شراب، قمار اور سود تینوں کو حرام قرار دے کر دنیا کو ان تین زبردست لعنتوں سے پاک کر دیا۔ اور میں بالیقین کہہ سکتا ہوں کہ اگر دنیا اس حکم کی تعمیل پر آمادہ ہو جائے تو بنی نوع آدم کی بہت سی مصیبتوں کا یک لخت خاتمہ ہو جائے۔ یہ عظیم الشان خدمت قرآن مجید کے علاوہ اور کسی الہامی کتاب نے مجموعی طور پر انجام نہیں دی۔ وید اور انجیل دونوں سے شراب کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح سود اور جوئے کی ممانعت کا کوئی حکم ان کتابوں میں مذکور نہیں ہے۔

۲۴۔ چوبیسویں خصوصیت اس مقدس کتاب کی یہ ہے کہ اس نے دنیا کو تاریخ مذاہب میں پہلی مرتبہ حریت، اخوت اور مساوات کے زریں اصولوں سے مالا مال کیا۔ یہ تینوں اصول مجموعی طور پر قرآن مجید کے علاوہ اور کسی مذہبی کتاب میں آپ کو نہیں مل سکتے۔ اور آج دنیا طوعاً و کرہاً انہی اصولوں کی طرف آ رہی ہے اور یہ میلان قرآن مجید کی صداقت اور برتری کا سب سے زیادہ روشن ثبوت ہے۔

۲۵۔ پچیسویں خصوصیت اس لازوال کتاب کی یہ ہے کہ اس نے انسانی شخصیت کے تینوں پہلوؤں علم، احساس اور ارادہ کی آبیاری کی ہے۔

(ا) شعور (علم) کی آبیاری اور نشوونما کے لئے تحقیق اور غور و فکر کو انسان کے لئے لازم قرار دیا۔
(ب) احساس (جذبات) کی نشوونما کے لئے محبت الٰہی کو ایمان کی نشانی قرار دیا۔
(ج) ارادہ (عمل) کی تربیت کے لئے عمل کو نجات کے لئے ضروری قرار دیا۔ اور میں بالیقین کہہ سکتا ہوں کہ اور کسی مذہبی کتاب نے ان تینوں قوتوں کی نشوونما کے لئے مجموعی طور پر کوئی نظام دنیا کے سامنے پیش نہیں کیا۔

۲۶۔ چھبیسویں خصوصیت اس لاجواب کتاب کی یہ ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت کو کامل طور سے ظاہر کیا اور بتایا کہ جس طرح اس نے تمام انسانوں کی جسمانی پرورش کا انتظام کیا ہے اسی طرح روحانی تربیت بھی فرمائی ہے اور اسی لئے دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جس میں اس کی طرف سے کوئی ہادی نہ بھیجا گیا ہو۔ قرآن مجید نے ان آیات میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے:

"وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ"
یعنی "ہم نے ہر قوم میں ہدایت دینے والا بھیجا"
"وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيْرٌ"
"اور کوئی امت دنیا میں ایسی نہیں گزری جس میں کوئی ڈرانے والا نہ ہو"۔

اس تعلیم کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ کوئی قوم اپنے آپ کو دوسری قوم پر اس لئے فضیلت نہیں دے سکتی کہ صرف وہی خدا کی منتخب اور برگزیدہ قوم ہے، جیسا کہ یہود کو یہ زعم باطل تھا اور وہ سخت دل ہو گئے تھے۔ اور اسی غرور اور سنگدلی نے ان کو پیغام الٰہی (قرآن) کی برکات سے مستفید نہ ہونے دیا۔ قرآن مجید نے تمام اقوام عالم کو اس اعتبار سے ایک سطح پر لا کر کھڑا کر دیا۔

۲۷۔ ستائیسویں خصوصیت اس زندہ پیغام کی یہ ہے کہ اس نے اپنے پیروؤں کو تمام دنیا کے ہادیان مذاہب کی یکساں عزت کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے "لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ" ہم اللہ کے بھیجے ہوؤں (انبیاء) کے مابین کسی قسم کا

امتیاز روا نہیں رکھتے۔

اس پاکیزہ تعلیم کی بنا پر ہر مسلمان پر تمام مذاہب کے بزرگوں کی عزت کرنی فرض ہے۔ اس تعلیم کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان کے ذہن میں رواداری، ہمدردی اور امن پسندی کا تصور پیدا ہوتا ہے اور قلب میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور دنیا میں امن و امان کا دروازہ کھل جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت تامہ و کاملہ کا نقش دل و دماغ دونوں پر ثبت ہو جاتا ہے۔

وید، استا، زبور، توریت، انجیل، دھمپد، انگہ، ساری الہامی آسمانی مذہبی کتابیں دیکھ جایئے، یہ پاکیزہ تعلیم کسی کتاب میں نظر نہیں آئے گی کہ تمام مذاہب کے بانیوں کی یکساں طور پر عزت کرو اور سب کو خدا کی طرف سے سمجھو۔

۲۸۔ اٹھائیسویں خصوصیت اس لاثانی کتاب کی یہ ہے کہ اس نے تمام دنیا کے اہل کتاب کو دعوت اتحاد دی ہے۔ مقصد اس دعوت کا علی الخصوص یہ ہے کہ دنیا میں امن و امان قائم ہو۔ نفرت، بغض، حسد، کینہ، عداوت، تنگ دلی، دشمنی اور حقارت کا خاتمہ ہو اور عالمگیر انسانی برادری قائم ہو جائے۔ اور میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ جب کبھی دنیا میں امن و امان اور انسانوں میں اتحاد قائم ہو گا تو اسی اصول کی بنا پر ہو گا جو اس مقدس کتاب نے پیش کیا۔ وہ اصول یہ ہے :

﴿ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ (آل عمران : ۶۴)

"(اے رسولؐ) فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب! آؤ اس بات پر (ہم تم دونوں متفق ہو جائیں) جو ہمارے اور تمہارے درمیان مسلّم ہے کہ ہم سوائے خدا کے اور کسی کی پرستش نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے بعض، انسانوں کو خدا کے علاوہ اپنا معبود قرار نہ دیں"۔

۲۹۔ انتیسویں خصوصیت اس زندہ کتاب کی یہ ہے اس نے اپنے پیرووں کو یہ

ہدایت کی ہے کہ تم دنیا کے بت پرستوں اور مشرکوں کے معبودان باطلہ کو برا مت کہو۔ یعنی یہ تو سچ ہے کہ خدا کے سوا اور کوئی معبود نہیں، لیکن جو لوگ کوتاہ بینی کی وجہ سے پتھر یا مٹی کی مورتوں یا اپنے جیسے فانی انسانوں کو خدا (معبود) سمجھتے ہیں تم ان کو برا مت کہو۔ اس پاکیزہ تعلیم میں کئی نفسیاتی پہلو مضمر ہیں

اولاً، مسلمانوں کو دوسروں کی دل آزاری سے روکا ہے۔

ثانیاً، انسان کی فطرت ہے کہ وہ جس چیز کو اچھا سمجھتا ہے اس کے خلاف کوئی کلمہ سننا گوارا نہیں کرتا بلکہ فوراً مشتعل ہو جاتا ہے اور اشتعال کی حالت میں وہ اپنی غلط روش پر اور پختہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس کی اصلاح کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جاتا ہے۔

ثالثاً، وہ تعصب کی راہ سے سچے خدا کو برا بھلا کہنے لگے گا اور اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ فتنہ و فساد کا دروازہ کھل جائے گا۔ چنانچہ فرمایا :

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ (الانعام : ۱۰۸)

"اور (اے مسلمانو!) تم ان غیر مسلموں کے معبودوں کو برا مت کہو، مبادا وہ لوگ حدود سے متجاوز ہو کر جہالت کی بنا پر اللہ کو برا کہنے لگیں"۔

۳۰۔ تیسویں خصوصیت اس بے نظیر کتاب کی یہ ہے کہ اس نے تمام دنیا کو چیلنج دیا ہے کہ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ کسی انسان کا کلام ہے تو اپنی ساری لیاقت صرف کر کے اس کی نظیر بنالاؤ۔ فرمایا :

﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا﴾ (بنی اسرائیل : ۸۸)

"کہہ دو کہ اگر انسان اور جن دونوں جمع ہو کر اس قرآن کی نظیر پیش کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے، اگرچہ بعض بعض کی مدد ہی کیوں نہ کریں۔"

دنیا کی کسی مذہبی کتاب نے اس قسم کا چیلنج انسانوں کو نہیں دیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سب انسانی تصنیفات ہیں اور انسانوں میں اس چیلنج کی قوت ہی نہیں ہے۔ نزول قرآن

کے وقت عرب میں بڑے بڑے فصحاءٔ بلغاء اور شعراء موجود تھے لیکن جب انہوں نے اس کتاب کی آیات پڑھیں تو بے اختیار پکار اٹھے : مَا هٰذَا قَوْلُ بَشَرٍ "یعنی "یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے"۔ اس چیلنج کو ۱۴۰۰ برس سے زائد گزر چکے ہیں لیکن آج تک کسی انسان نے اس چیلنج کو قبول نہیں کیا۔ محض اس لئے کہ کوئی قبول کر ہی نہیں سکتا۔ یہ بات طاقت بشری سے خارج ہے۔ جس کسی نے اپنی حماقت سے جواب دینے کی کوشش کی' تاریخ گواہ ہے کہ منہ کی کھائی اور راضحوکہ روزگار بن گیا۔

۳۱۔ اکیسویں خصوصیت اس زندہ کتاب کی یہ ہے کہ اس نے آج سے ۱۴۰۰ سال پہلے یہ پیشینگوئی فرمائی کہ اسلام جملہ ادیان پر غالب آئے گا۔ یعنی اس کے علاوہ تمام مذاہب کے اصول باطل ہو جائیں گے اور دنیا طوعاً او کرہاً قرآن کے اصولوں کی طرف مائل ہو گی۔ فرمایا :

﴿ هُوَ الَّذِىٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ ﴾
(الفتح : ۲۸)

یعنی "اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا تاکہ وہ اس کو جملہ ادیان پر غالب کر دے۔"

آج تمام دنیا قرآنی تعلیمات کی طرف آ رہی ہے' گو پیروانِ مذاہب عالم منہ سے نہیں کہتے' لیکن اپنے عمل سے ثابت کر رہے ہیں کہ قرآنی اصولوں کے اختیار کرنے ہی سے ترقی کا دروازہ کھل سکتا ہے۔

توحید' وحدت نسل انسانی' حریت' اخوت' مساوات' جمہوریت' شوریٰ' طلاق' نکاح' بیوگان' حقوق نسواں' مجد و شرف انسانی' انفرادی ذمہ داری' سرمایہ داری اور ملوکیت سے نفرت' رسم پرستی اور شخصیت پرستی سے نفرت' تحقیق و اجتہاد' مطالعہ فطرت' انسداد قمار و شراب وغیرہ' یہ وہ چند موٹے موٹے اصول ہیں جو قرآن مجید نے تلقین فرمائے ہیں۔ اور جو شخص حالات حاضرہ سے باخبر ہے وہ بخوبی جانتا ہے کہ تمام قومیں جزوی

یا کلی طور پر انہی اصولوں کو اپنی ہیئت اجتماعیہ میں داخل کرتی جا رہی ہیں۔ ہندو، مجوسی، یہودی، نصاریٰ اور مشرک سب اپنی اپنی کتابوں کی تعلیمات سے منہ موڑ کر قرآنی اصولوں کی طرف آ رہے ہیں۔ کہیں شاستروں کے خلاف نکاح بیوگان کا قانون بن رہا ہے اور کہیں کلیسا کے خلاف طلاق کے قوانین مدون ہو رہے ہیں۔ وقس علیٰ ہذا۔ اسی لئے انگلستان کے نامور ادیب جارج برنارڈ شا نے اپنی ایک کتاب میں یہ پیشینگوئی کی ہے کہ :
"آج سے سو سال کے بعد یورپ یا تو مسلمان ہو جائے گا یا اسلام سے ملتا جلتا کوئی مذہب اختیار کر لے گا"۔ مسٹر شا مسلمان نہیں لیکن اسے یہ حقیقت صاف نظر آ رہی ہے کہ دنیا قرآن کے اصولوں کو اختیار کرتی جاتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے "ارمغان حجاز" میں اسی حقیقت کو ایک خاص انداز میں ابلیس کی زبان سے ادا کرایا ہے۔ وہ اپنے وزراء سے کہتا ہے ؎

عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں!

۳۲۔ بتیسویں خصوصیت اس مقدس پیغام کی یہ ہے کہ اس نے مذاہب عالم کی تاریخ میں پہلی مرتبہ وحدت دین کا اصول پیش کیا اور یہ بات توحید یا وحدت ذات باری تعالیٰ کا منطقی نتیجہ ہے۔ جب کائنات کا خالق ایک ہے تو اس کا پیغام بھی ایک ہی ہونا چاہئے۔ اسی لئے قرآن مجید نے پہلی بار دنیا کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا کہ دین ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝ ﴾

یعنی "(اے رسول!) ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا، جس کو یہ وحی نہ کی ہو کہ انسانوں سے کہہ دو کہ سوائے میرے (اللہ کے) کوئی معبود نہیں، پس میری عبادت کرو"۔ (الانبیاء : ۲۵)

اس کے معنی یہ نکلے کہ حضرت مسیحؑ نے بھی انسانوں کو یہی تلقین کی تھی کہ اللہ ایک

ہے اور اسی کی عبادت کرو، لیکن نصاریٰ نے اس حقیقت کو بالائے طاق رکھ دیا اور خود رسول کو خدا اور خدا کا بیٹا بنا کر پوجنا شروع کر دیا۔

۳۳۔ تینتیسویں خصوصیت اس زندہ کتاب کی یہ ہے کہ اس کا نام "القرآن" بھی خدا تعالیٰ کا رکھا ہوا ہے اور متن کتاب میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ اس کو الفرقان، الذکر اور الکتاب بھی کہا گیا ہے اور یہ سارے نام الہامی ہیں۔ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ..." (اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ کے اوپر نازل کرتے...) نیز ۲۵ : ۱، و ۱۲ : ۱، و ۱۷ : ۸۸۔

۳۴۔ چونتیسویں خصوصیت اس پاک کلام کی یہ ہے کہ اس نے انسان کو اس کے حقیقی مقام اور مرتبہ سے آگاہ کیا۔ ہندو دھرم، جین دھرم، بودھ دھرم اور مسیحیت تمام مذاہب میں انسان کو گناہگار قرار دیا گیا ہے۔ گویا پیدا ہونا دلیل ہے اس امر کی کہ انسان نے گناہ کئے تھے جو پھر قالب انسانی میں آیا، لیکن قرآن مجید نے ان تمام خیالات باطلہ کی تردید کی اور اعلان کیا کہ انسان خدا کا نائب ہے۔ فرمایا

﴿ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً.... ﴾ (البقرہ : ۳۰)

یعنی "جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں اپنا نائب مقرر کرنے والا ہوں۔"

۳۵۔ پینتیسویں خصوصیت اس بے نظیر کتاب کی یہ ہے کہ اس نے دنیا کو پہلی مرتبہ اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ مادہ یا مادی دنیا یا مادی جسم ناپاک نہیں ہے۔ یہ تعلیم قدیم زمانہ میں ہندوستان اور یونان کے حکماء نے پیش کی تھی اور جملہ مذاہب عالم نے اس غلط عقیدہ کو تسلیم کر لیا تھا کہ بدی مادہ کی ذات میں داخل ہے، اس لئے انسان چونکہ مادی ہے لہٰذا بالذات بد ہے۔ یعنی اس کی تخلیق برائی اور بدی پر ہوتی ہے۔ قرآن مجید نے یہ فرما کر کہ "لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِىْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ"۔ (بلاشبہ ہم نے انسان کو

بہترین تقویم (طریق) پر پیدا کیا ہے) دنیا کو اس غلط فہمی سے نجات دلائی۔

۳۶۔ چھتیسویں خصوصیت اس زندہ پیغام کی یہ ہے کہ اس کتاب کو حامل کتاب نے خود مدون کر کے دنیا کو عطا کیا۔

(ا) وید رشیوں کی وفات کے ہزاروں برس بعد کتابی شکل میں مدون ہوئے۔
(ب) دھمپد جناب گوتم بدھ کی وفات سے ۶۰۰ سال کے بعد ان کے شاگردوں نے مدون کی۔
(ج) انگہ جناب مہابیر سوامی کی وفات کے بعد مدون کی گئی۔
(د) استا جناب زرتشت کی وفات کے بعد مدون ہوئی۔
(ہ) توریت جناب موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے صدیوں بعد مدون ہوئی۔
(و) زبور جناب داؤد علیہ السلام کی وفات کے بعد مدون کی گئی۔
(ز) انجیل جناب یسوع کی وفات کے بعد ان کے شاگردوں نے بطور خود لکھی۔ مثلاً یوحنا کی انجیل ۱۱۰ء میں لکھی گئی۔
(ح) قرآن مجید وہ عدیم المثال کتاب ہے جسے حامل وحی سرور کائنات ﷺ نے خود اپنی زندگی میں مدون کیا اور آج ہمارے پاس وہی کتاب ہے جو آنحضرتؐ نے دنیا کے سامنے پیش کی تھی۔

۳۷۔ سینتیسویں خصوصیت اس کتاب لاجواب کی یہ ہے کہ اس نے خود اپنے مسلک کا نام رکھا یعنی اسلام۔ اور پھر نام ایسا رکھا کہ اس میں مسلک کی روح سمٹ کر آگئی۔

(ا) "اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ" یعنی اللہ کی نظر میں صرف ایک ہی دین پسندیدہ ہے اور وہ اسلام ہے۔ (آل عمران : ۱۸)
(ب) اسلام کے معنی ہیں قوانین الہیہ کی کامل اطاعت کرنا یا اللہ کے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا۔ یہی اسلام کی روح ہے۔

۳۸۔ اڑتیسویں خصوصیت اس زندۂ جاوید کتاب کی یہ ہے کہ اس نے متن کی

تشریح کے لئے خود ہی ایک اصول وضع فرمایا، تا کہ کوئی شخص کسی زمانہ میں بھی فہم و تفہیم میں غلطی نہ کر سکے۔ وہ اصول یہ ہے کہ قرآن میں محکمات کے علاوہ متشابہات بھی ہیں۔ محکمات میں تو کوئی بحث ممکن ہی نہیں، متشابہات میں ممکن ہے۔ لیکن اگر متشابہات کو محکمات کے تحت رکھو گے تو گمراہ نہ ہو گے مثلاً "ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ" یا "یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ" کی تفسیر ہمیشہ محکمات کی روشنی میں کی جانی چاہئے اور محکمات کیا ہیں؟ یہ کہ اللہ تعالیٰ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ کا مصداق ہے۔

۳۹۔ انتالیسویں خصوصیت اس عالمگیر پیغام کی یہ ہے کہ جس قدر شدت کے ساتھ اس نے توحید الٰہی کا عقیدہ پیش کیا ہے اور جس قدر عقلی دلائل توحید پر اس نے دیئے ہیں کسی الہامی کتاب میں نہیں پائے جاتے۔ مسٹر سی ایف اینڈریوز، راجہ رام موہن رائے، پامر سیل اور راڈویل سب نے اس حقیقت کا صاف لفظوں میں اعتراف کیا۔

۴۰۔ چالیسویں خصوصیت اس مکمل دستور العمل کی یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر شرک کی مذمت کسی الہامی کتاب نے نہیں کی بلکہ اس کا فرمان تو یہ ہے : "اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ" کہ اللہ تعالیٰ شرک کو کبھی نہیں معاف کرے گا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص کسی ذات کو خدا کا شریک جانتا ہے وہ یا انسان ہو گی یا حیوان۔ اور ان دونوں صورتوں میں مشرک انسان اپنے جیسے یا اپنے سے کمتر کی پرستش کرے گا اور اس طرح خود مرتبہ انسانیت سے خارج ہو جائے گا۔

۴۱۔ اکتالیسویں خصوصیت اس ہمہ گیر پیغام کی یہ ہے کہ اس نے حامل وحی کو بطور "اسوۂ حسنہ" دنیا کے سامنے پیش کیا دنیا کی کسی الہامی کتاب نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ "لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ" یعنی "اے لوگو! اللہ کے رسول کی شخصیت میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے"۔

۴۲۔ بیالیسویں خصوصیت اس مقدس کلام کی یہ ہے کہ اس نے ہر قسم کی نبوت کا

ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر کے انسان کو ذہنی طور پر آزاد کر دیا۔ قیامت تک کوئی انسان کسی دوسرے انسان کی اتباع یا پیروی کرنے پر مجبور نہیں ہے۔ حریتِ فکر کا کتنا بڑا چارٹر ہے جو قرآن نے دنیا کو عطا کیا۔

۴۳۔ تینتالیسویں خصوصیت اس زندہ کتاب کی یہ ہے کہ اس نے حامل وحی کے انسان ہونے کا اعلان کیا تاکہ قیامت تک کوئی شخص رسول ﷺ کو خدا یا خدا کا بیٹا نہ بنا سکے۔ فرمایا :

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ....﴾

یعنی "(اے رسولؐ) کہہ دو میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں..."۔

۴۴۔ چوالیسویں خصوصیت اس کامل دستور العمل کی یہ ہے کہ اس نے قوم کی بنیاد وطن، قبیلہ، رنگ، زبان، ملک یا نسل پر نہیں رکھی بلکہ عقیدۂ توحید پر رکھی اور اس طرح ایک طرف سارے مسلمانوں کو مسلک اخوت میں منسلک کر دیا۔ چینی، جاپانی، ہندی، ایرانی سب مسلمان ایک قوم بن گئے۔ دوسری طرف دنیا کو قومیت اور وطنیت کی لعنت سے پاک کر دیا۔ علامہ فرماتے ہیں ؎

جاں نہ گنجد در جہات اے ہوشمند
مردِ حُر بیگانہ از ہر قید و بند

(جاوید نامہ)

۴۵۔ پینتالیسویں خصوصیت اس عدیم المثال کتاب کی یہ ہے کہ اس نے مذہب کی تاریخ میں پہلی مرتبہ دنیا کو اور خصوصاً اہل مذہب کو حصول علم کی طرف مائل کیا اور حصول علم کے طریق سہ گانہ سے آشنا کیا۔ یعنی مطالعہ فطرت، شعور باطنی اور تاریخ ازمنۂ سابقہ۔

۴۶۔ چھیالیسویں خصوصیت اس مقدس پیغام کی یہ ہے کہ اس نے حقائق سہ گانہ یعنی خدا، فطرت یا کائنات اور انسان کے باہمی تعلقات کو نہایت عمدگی کے ساتھ واضح کیا

ہے۔ خدا کائنات اور انسان دونوں کا خالق ہے۔ انسان خدا کا نائب اور کائنات پر حکمران ہے۔ کائنات انسان کے فائدہ کے لئے ظہور میں آئی ہے۔

۴۷۔ سینتالیسویں خصوصیت اس زندہ پیغام کی یہ ہے کہ اس نے اپنی انوکھی تعلیم کی بدولت نصف صدی کے اندر اندر دنیا میں ایسا زبردست انقلاب پیدا کر دیا جس کی نظیر کسی زمانہ میں نہیں ملتی۔ کسی کتاب نے اس قدر قلیل مدت میں اس قدر زبردست انقلاب پیدا نہیں کیا۔ اس نے توحید الٰہی کا عقیدہ اس شدت کے ساتھ دلوں میں راسخ کیا کہ مسلمانوں نے آنکھوں دیکھتے دیکھتے قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ کر رکھ دیئے۔

۴۸۔ اڑتالیسویں خصوصیت اس کلام الٰہی کی یہ ہے کہ اس نے دنیا کے سامنے مذہب کا انوکھا تخیل پیش کیا۔ اسلام سے پہلے مذہب کا تخیل یہ تھا کہ وہ صرف مرنے کے بعد کام آنے والی چیز ہے۔ تمدن' معاشرت' سیاست' معیشت اور تدبیر منزل وغیرہ میں اس کو کوئی دخل نہیں ہے۔ لیکن قرآن مجید نے اعلان کیا کہ "مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى" لہٰذا اس مکمل دستور العمل نے انسانوں کی زندگی کے تمام شعبوں کو اپنے دائرہ عمل (Jurisdiction) میں لے لیا اور آخرت کے علاوہ دنیا میں کامیابی کا پروگرام (ضابطہ) بھی پیش کیا۔ علامہ فرماتے ہیں :

> "اسلام بیک وقت مذہب بھی ہے یعنی ضابطہ اخلاق بھی ہے اور ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کے لئے ایک مکمل دستور العمل بھی ہے"۔

۴۹۔ انچاسویں خصوصیت اس کتاب لاجواب کی یہ ہے کہ اس نے دنیا کو ہر قسم کی غلامی سے ہمیشہ کے لئے آزاد کر دیا اور اسی لئے ملوکیت' سرمایہ داروں' مذہبی طبقہ' امتیازات نسب اور نبوت بعد آنحضرت ﷺ' ان پانچوں امور کا خاتمہ کر دیا جن کی بنا پر ایک انسان دوسرے انسان کا غلام ہو سکتا ہے۔

۵۰۔ پچاسویں خصوصیت اس زندہ کتاب کی یہ ہے کہ اس نے فرد اور جماعت دونوں کی ترقی کو مدنظر رکھ کر قوانین بنائے اور ان میں اس طرح توازن قائم کیا کہ فرد کی

انفرادیت بھی قائم رہے اور اس میں اجتماعی رنگ بھی پیدا ہو سکے۔ ایک طرف یہ فرمایا کہ "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی" تو دوسری طرف یہ بھی بتا دیا کہ "وَارْكَعُوا مَعَ الرّٰكِعِينَ" علامہ نے ان دونوں حقائق کو بایں انداز پیش کیا ہے

تو اے مسافرِ شب خود چراغ بن اپنا
کر اپنی رات کو داغِ جگر سے نورانی

اور

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

پس میں تمام انسانوں کو' خواہ وہ کالے ہوں یا گورے' ہندو ہوں یا عیسائی' مشرقی ہوں یا مغربی' اس زندہ کتاب کے مطالعہ کی دعوت دیتا ہوں تاکہ وہ برکاتِ الٰہیہ کے وارث بن سکیں۔

بر خور از قرآں اگر خواہی ثبات
در ضمیرش دیدہ ام آبِ حیات

میثاق میں قسط وار شائع ہونے والا سلسلہ مضامین

نفاق کی نشانیاں

تالیف : الاستاذ عائض عبداللہ القرنی ترجمہ و حواشی : ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور

اب کتابی شکل میں شائع ہو گیا ہے

○ سفید کاغذ ○ دیدہ زیب ٹائٹل ○ صفحات ۸۰ ○ قیمت ۳۹ روپے

شائع کردہ : اسلامک پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ' شاہ عالم مارکیٹ لاہور

(یہ کتاب مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن کے ذریعے بھی حاصل کی جا سکتی ہے)

افہام و تفہیم

صوبہ سرحد سے ایک متلاشی حق کا خط

اور امیر تنظیم اسلامی کا جواب

محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب امیر تنظیم اسلامی پاکستان
السلام علیکم ورحمتہ اللہ

امید ہے خیریت سے ہوں گے اور اقامت دین کے کاموں میں ہمہ وقت مصروف ہوں گے۔ گزشتہ دنوں ایک رفیق تنظیم نے مجھے "جماعت اسلامی کا تحقیقی مطالعہ" نامی کتاب مطالعہ کرنے کے لئے دی۔ جس کا مطالعہ میرے لئے بے حد مفید اور دلچسپ تھا۔ پہلی جلد مکمل کی اب دوسری جلد شروع کرنے کا ارادہ ہے۔ دراصل میں نے آپ کی طرح جماعت اسلامی میں ۱۷ سال گزارے، ۱۰ سال اسلامی جمعیت طلبہ کے ساتھ اور باقی ۷ سال جماعت کے ساتھ۔ ۹۳ء میں جماعت کا رکن بنا ہوں لیکن دل مطمئن نہیں ہے خصوصاً اس وقت جب میں تنظیم اساتذہ ضلع..... کا صدر بھی تھا تو اس وقت سے ابھی تک انتہائی دل شکن صورت حال سے دوچار ہوں۔ تنظیم اساتذہ کو تو ابھی خیرباد کہہ چکا ہوں جبکہ جماعت کا ابھی تک رکن ہوں۔ میں تنظیم اسلامی کے راولپنڈی کے پروگرام میں شامل ہونا اور آپ سے بالمشافہ ملاقات چاہتا تھا لیکن اللہ کو منظور نہ تھا۔

تنظیم اسلامی کو اپنے دل کی آواز سمجھتا ہوں لیکن کچھ اشکالات ایسے ہیں جو تنظیم میں شامل ہونے سے روکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ایسا نہ ہو کہ میں اس میں اپنی صلاحیتوں کو جھونکنے کا فیصلہ کروں اور بعد میں تنظیم بھی جماعت کی طرح "عوام پرستی" کا نظریہ قبول کرلے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسلام تو فساد فی الارض کے بجائے امن و آشتی اور پرامن راستوں سے انقلاب کی بات کرتا ہے۔ جبکہ ہمارے معاشرہ کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ اس لئے اگر انتخاب کے بجائے ہم "تصادم" کی راہ اپنالیں تو کیا معاشرہ میں

انارکی اور بدامنی پھیلنے کا اندیشہ نہ ہو گا؟ اور خون ناحق بہنے کا خطرہ نہیں ہے؟ ان دو اشکالات کی وجہ سے شرح صدر نہیں۔ ان میں پہلا نکتہ تو شاید محض وہم ہو لیکن دوسرا نکتہ وضاحت کے قابل ہے جس کے لئے میں آپ سے رجوع کرتا ہوں۔ امید ہے میرے اس اشکال کی وضاحت فرمائیں گے۔

ایک اور بات دستوری مسئلہ ہے۔ تنظیم کے دستور میں "تاحیات امیر" کی بات لکھی گئی ہے' جبکہ اسلام میں عہدہ پر قائم رہنے کے لئے "قائم بالحق" کی شرط ہے۔ یعنی جب تک کسی عہدہ پر وہ متمکن ہو اور حق پر قائم ہو تو اہل ہے ورنہ نااہل تصور کیا جائے گا۔ امید ہے پوری تفصیل کے ساتھ ان نکات کی وضاحت فرمائیں۔ واللہ یھدی من یشاء۔ اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو۔ والسلام

آپ کا بھائی
ایک متلاشی حق

برادرم جناب......صاحب'
وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ'

گرامی نامہ ملا---- آپ کے "تلاش حق" کے جذبہ سے خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس جذبہ صادق کی برکت سے ہدایت میں روز افزوں ترقی عطا فرمائے' آمین!

یہ بات واضح نہیں ہو سکی کہ دوسری جلد سے آپ کی مراد کیا ہے؟ اگر اس سے مراد "تاریخ جماعت اسلامی کا ایک گمشدہ باب" ہے تو وہ اگر آپ کو دستیاب ہو گئی ہے تو ضرور پڑھئے!

غیر معصوم انسانوں کی کسی بھی انفرادی یا اجتماعی کوشش کے خطا---- یا زوال سے دوچار ہو جانے سے محفوظ رہنے کی ہرگز ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ اگر نبی اکرم ﷺ کا قائم کردہ نظام بھی ربع صدی کے بعد ہی شکست و ریخت سے دوچار ہونا شروع ہو گیا تھا تو اور کس شے کو دوام ہو سکتا ہے---- البتہ فرق یہ ہے کہ آنحضورؐ کی مساعی کامیابی سے دوچار ہونے کے بعد اور ثلث صدی تک بالکل صحیح صحیح برقرار رہنے کے بعد زوال سے

دوچار ہوئی۔ جبکہ پچھلی صدی کی عظیم تحریک مجاہدین ---- اور موجودہ صدی کی عظیم تحریک جماعت اسلامی کسی بھی درجہ میں کامیابی سے ہمکنار ہونے سے قبل ہی زوال سے دوچار ہو گئیں!

تاہم ایک سالک حق کا کام یہ ہے کہ وہ جس قافلے کے ساتھ بھی چل رہا ہو آنکھوں اور کانوں اور دل و دماغ کو کھلا اور بیدار رکھ کر ساتھ چلے ----اور جیسے ہی اس میں فساد کا ظہور دیکھے اب کسی عصبیت یا "مَوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا" (العنکبوت : ۲۵) کا شکار ہو کر اس سے چمٹا نہ رہے، بلکہ علیحدگی اختیار کر کے اولاً کسی دوسرے قافلے کو تلاش کرے، اور اگر کوئی بہتر قافلہ مل جائے تو اس کی ہمراہی اختیار کر لے ----ورنہ پھر خود کھڑا ہو اور اپنی صوابدید کے مطابق کام کا آغاز کر دے!

نظام اسلام کے نفاذ سے مراد اگر صرف چند تعزیری قوانین ہی کا نفاذ نہیں ہے بلکہ پورے اجتماعی نظام (سیاسی + معاشی + معاشرتی) کو اسلام کے تابع کرنا ہے تو ظاہر ہے کہ جو لوگ معاشرہ میں سیاسی سطح پر "مستکبرین" کی صورت اختیار کئے ہوتے ہوں، یا معاشی سطح پر استحصالی طبقات میں شمار ہوتے ہوں ان کی جانب سے مقابلہ اور مقاومت ----اور اس کے نتیجے میں تصادم ناگزیر ہے ---- تاہم اس موضوع پر خط میں مفصل بات نہیں ہو سکتی۔ آپ میری کتاب "منہج انقلاب نبویؐ" کا مطالعہ کر کے پھر بھی اگر کوئی اشکال باقی رہ جائے تو مجھ سے رجوع کریں۔

"تاحیات امارت" نظام بیعت کا حصہ ہے۔ اس موضوع پر بھی میری متعدد تحریریں اور تقریریں موجود ہیں۔ ان سے استفادہ کرنے کے بعد بات زیادہ نتیجہ خیز ہو گی۔ اگر آپ راولپنڈی نہیں آ سکتے تھے تو لاہور کون سا بہت دور ہے۔ خط یا فون کے ذریعے وقت طے کر کے تشریف لائیں تو خوشی ہو گی۔

فقط والسلام مع الاکرام

خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

ریاض سے ایک جواب طلب مراسلہ
اور امیر تنظیم اسلامی کی جوابی وضاحت

محترم المقام ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ' السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ '

آپ کی نگارشات و تقاریر سے ایک عرصہ سے بہت مانوس ہوں ' اور قرآن فہمی کے لئے آپ کی کوششوں کی میرے دل میں بڑی قدر بھی ہے۔ چند روز قبل سورۂ جمعہ سے متعلق آپ کے ایک کیسٹ میں آپ کی یہ رائے کہ خطبہ کے دوران اٹھ کر چلے جانے والے حضرات کے بارے میں "گمان یہ ہونا چاہئے کہ وہ منافق تھے " سن کر گویا اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ غالباً آپ نے غور نہیں فرمایا ہو گا کہ آپ کے اس گمان محض کی زد کتنی دور تک پڑتی ہے۔

آپ کی تحریروں میں گاہے بگاہے بعض معاصرین کی ان کتابوں پر نقد دیکھ کر مجھے بڑی مسرت ہوتی تھی جن میں صحابہ کرامؓ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا گیا ہے ' جس کی وجہ سے ان حضرات کے متعلقین میں تجریح صحابہؓ کا عام رواج پڑ گیا ہے۔ مگر سورۂ جمعہ کی آخری آیت کے سلسلہ میں آپ کی رائے سن کر میں سخت کرب میں مبتلا ہو گیا۔ تلاش حق کے لئے تفسیر و حدیث ' سیرت اور تاریخ کی کتابیں دیکھیں تو واقعہ کی درج ذیل تفصیل سامنے آئی :

جمعہ کی نماز عہد مدنی کے اوائل میں شروع ہوئی۔ اسلامی معاشرہ اس وقت تربیت کے ابتدائی مرحلہ میں تھا۔ البتہ حضرات مہاجرین کو اس وقت تک رسول اللہ ﷺ کی خاص تربیت و صحبت نصیب ہو چکی تھی۔ ابتداء میں جمعہ کا خطبہ نماز کے بعد ہوتا تھا۔ جب قافلہ تجارت مدینہ منورہ پہنچا اس وقت نماز ختم ہو چکی تھی اور رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے۔ مدینہ منورہ میں تنگی اور اشیاء خوردنی کی قلت کا زمانہ تھا۔ لہٰذا جو صحابہ

اس وقت خطبہ میں موجود تھے ان میں تربیت یافتہ حضرات تو اپنی جگہ بیٹھے خطبہ سنتے رہے' اور وہ لوگ جن کو رسول اللہ ﷺ کی نئی نئی صحبت حاصل ہوئی تھی' ابھی خاطر خواہ تربیت کے مرحلہ سے نہیں گزرے تھے انہوں نے یہ سمجھا کہ نماز تو ختم ہو چکی' اور خطبہ نماز کا جزء نہ ہونے کی وجہ سے سننا ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا اس اندیشہ سے کہ کہیں اس قلت اشیاء کے زمانہ میں سارا سامان بک نہ جائے اور وہ حاصل نہ کر سکیں' یہ حضرات اٹھ کر چلے گئے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے سورۂ جمعہ کی آیات میں ناراضگی ظاہر فرمادی تو اس کے بعد انہی صحابہ کا یہ حال ہوا جو سورۂ نور میں ہے کہ "لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ"

سورۂ جمعہ کے فوراً بعد سورۂ منافقون کے آنے سے آپ نے یہ اخذ فرمایا ہے کہ سورۂ جمعہ کی آخری آیات میں جن حضرات کا تذکرہ ہے ان کے منافق ہونے کا غالب گمان ہونا چاہئے۔

سورتوں میں باہم ربط (جس سے آپ نے ایک اتنا بڑا استنتاج کر لیا ہے) فقہ اسلامی میں نصوص سے طرق استدلال یعنی عبارۃ النص' دلالۃ النص' اشارۃ النص یا اقتضاء النص کے کس خانہ میں آتا ہے؟ آپ کے "گمان" کی حیثیت ایک تفسیری نکتہ سے زیادہ کیا ہے جس کو آپ علمی تحقیق کے رنگ میں پیش فرما رہے ہیں' خواہ وہ کتنے ہی مسلمات سے ٹکراتا ہو۔

ڈاکٹر صاحب! آج کے دور میں جبکہ تاریخ خلافت راشدہ اور آیت رجم کی تحقیق کے نام پر پوری پوری جماعتوں کی تربیت قدح صحابہؓ پر ہو رہی ہے' للہ آپ اپنی تنظیم کو اس نامسعود رجحان سے دور رکھیں۔ آپ کے کیسٹ گھر گھر سنے جاتے ہیں' آپ کی معمولی چوک یا زلت لسان سے جو فکری و عقائدی نقصان پہنچ جائے گا اس کی تلافی کس کے بس میں ہو گی۔ تلخ نوائی کے لئے معافی کا خواستگار ہوں۔

والسلام

وقار عظیم ندوی

ریاض' سعودی عرب

امیر تنظیم اسلامی کی وضاحت

محترمی و مکرمی' و علیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کے خط کا اصل اور مسئلہ زیر بحث سے براہ راست متعلق حصہ اس لئے شائع کر دیا گیا ہے کہ اگر میرے بیان سے یہ مغالطہ لاحق ہوتا ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد آنحضور ﷺ کو خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے چھوڑ کر چلے جانے والے سب کے سب لوگ منافق تھے تو اس سے میں اپنی براءت کا اعلان و اظہار کر دوں ---- باقی ایک صحیح بات کے اثبات کے لئے آپ نے قوی دلائل کے ساتھ ساتھ جن مزید ضعیف دلائل کا اضافہ کیا ہے ان کو حذف کر دیا گیا ہے' اس لئے کہ میں کسی رد و قدح کا سلسلہ شروع نہیں کرنا چاہتا ---- اس پر اگر کبھی اللہ کو منظور ہوا تو ان شاء اللہ بالمشافہ گفتگو ہو جائے گی!--- اگر آپ ہمیں مطلع فرمادیں کہ میرا وہ کیسٹ کونسی سیریز کا ہے تو ہم کوشش کریں گے کہ اگر اس میں سے اس حصے کو حذف نہ بھی کیا جا سکے تو بیان کے اختتام پر تصحیح بھی ریکارڈ کرادی جائے۔

فقط والسلام مع الاکرام ---- خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

بقیہ : حقیقتِ تصوف

ہے۔ تبعاً ذکر میں نماز بھی شامل ہے۔ لیکن نوٹ کیجئے کہ نماز میں بھی دو elements ہیں' ایک عملی ذکر ہے یعنی رکوع' سجود' قیام' اور دوسرے خود قرآن ہے۔ چنانچہ قرآن نے فجر کی نماز کو تو کہا ہی ہے "قرآن الفجر"۔ اسی طرح رات کی تہجد ہے تو وہ بھی قرآن کے ساتھ ادا کرنا مطلوب ہے۔ تیسرے درجے میں نبی اکرمؐ سے روزمرہ معمولات کے ضمن میں جو اذکار منقول ہیں ان کی پابندی کی جائے تو یہ بھی ذکرِ الٰہی کی ایک صورت ہوگی۔

(جاری ہے)

ایک درد بھرا مکتوب

گرامی قدر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب' السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

"تنظیم اسلامی" سکھر کی جانب سے شائع ہونے والا اشتہار (دعوت عام) نظر سے گزرا۔ جو کچھ میرے ذہن ہے میں وہ پیش خدمت ہے :

نہی عن المنکر : مسلمانوں نے "نہی عن المنکر" عرصہ سے ترک کر رکھا ہے۔ محترم محمد احتشام الحسن صاحبؒ نے ۱۹۳۹ء میں اپنے رسالہ "مسلمانوں کی پستی کا واحد علاج" میں اس طرف توجہ دلائی تھی لیکن انہی کی جماعت نے اس کو پروگرام سے خارج کر رکھا ہے۔ یہ صورتحال آپ کے علم میں ہے کیونکہ آپ نے اپریل ۱۹۹۰ء میں میثاق میں اس طرف توجہ دلائی تھی۔ دیگر دینی جماعتوں نے بھی کم و بیش اس کو ترک کر رکھا ہے یا ایک دوسرے میں تعاون مفقود ہے۔ اپنی رقابتوں کی خاطر تو یہ جماعتیں دار پر چڑھنے کو تیار ہیں مگر "نہی عن المنکر" کے لئے نہیں۔ لہٰذا آیت ۳/۱۱۰ کے تحت تو ہم پہلے ہی سربلندی کے لئے disqualify ہو چکے ہیں۔ اب شکایت کیسی!

کفران نعمت : عام مسلمانوں کی مالی حالت گزشتہ پچاس سال میں بہتر ہوئی مگر کفران نعمت روز افزوں ہے۔ اقبال نے کہا تھا : "انگریز سمجھتا ہے مسلماں کو گداگر" اور اب :

ہوئی تیل کی ہم پہ یہ مہربانی ۔۔۔ کہ یورپ سے آتا ہے پینے کا پانی

بلند و بالا عمارات : کبھی کبھی یہ خیال گزرتا ہے کہ بیت اللہ کے اردگرد عمارات "مثلها في البلاد" کا نمونہ تو نہیں؟ الاماں! الحفیظ!

حج بیت اللہ : حج بیت اللہ نے pleasure trip کی حیثیت اختیار کر لی ہے مگر یہ احساس بھی ہونے لگا ہے کہ اب حج میں وہ دشواریاں نہیں جو کچھ عرصہ قبل تک تھیں۔ کہیں قوم سبا والا معاملہ تو نہیں ہونے جا رہا! مختصراً بقول اقبال :

شبے پیش خدا بگریستم زار ۔۔۔ مسلماناں چرا زارند و خوارند
ندا آمد نمی دانی کہ ایں قوم ۔۔۔ دلے دارند و محبوبے ندارند

یعنی

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے ۔۔۔ مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

والسلام

خیر اندیش ---- سید تنظیم حسین

ناظم آباد۔ کراچی

KHALID TRADERS

AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

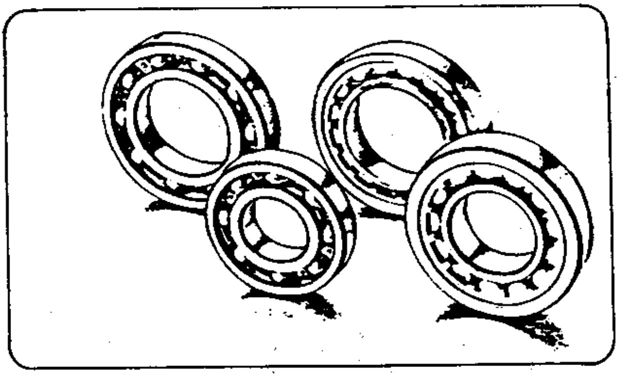

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

Meesaq
LAHORE

Reg. No. L 125
Vol. 46 No. 2
February 1997

Quarterly Journal of the Qur'an Academy

The Qur'anic Horizons

Patron: Dr. Israr Ahmad

January-March 1997 issue is now available!

CONTENTS

☞ **Performative Nature of Religious Truth**
(By Dr. Absar Ahmad)

☞ **From Fasting for Allah to Living for Allah**
(By Imran N. Hosein)

☞ **Reasons for Orientalists' Hostility towards Prophet Muhammad (SAW)**
(By Zafar Ali Qureshi)

☞ **The Tragedy of the Muslim *Ummah***
(By Ayesha Chaudhry)

Send Orders to:

Markazi Anjuman Khuddam-ul-Qur'an Lahore

36-K, Model Town, Lahore-54700

Phone: 5869501-3 Fax:5834000 E-Mail: anjuman@brain.net.pk